

## دھوئیں میں لاش!

کیپٹن حمید آر لکچر کی رقص گاہ سے نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چونک کر مڑا اور پھر ایک ایسے آدمی کو جسے وہ پہچانتا نہیں تھا دیکھ کر اسے غصہ آ گیا۔ مخاطب کرنے کے اس انداز سے اسے بڑی نفرت تھی۔ وہ ایسے آدمیوں کو بڑی حقارت سے دیکھتا جو اس کے جسم کو چھو کر اسے مخاطب کرتے تھے۔

”کیوں...؟“ وہ اسے نیچے سے اوپر تک گھور کر رہ گیا۔

”میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں جناب۔“ اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔  
”در اصل اس وقت میرے ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہیں۔“

حمید نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ ظاہری حالت سے بھی وہ کسی گری پڑی حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن حمید کو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی نظر آئیں۔ چہرہ زرد تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

”میں آپ کو پہچانتا ہوں جناب۔“ وہ پھر آہستہ سے بولا۔ ”اسی لئے مجھے یہ جسارت کرنی ہی

## زہر پلے تیر

(پہلا حصہ)

پڑی۔ ہو سکتا ہے اس وقت یہاں آپ کی موجودگی میرے لئے نیک فال ہو۔ ورنہ آنے والے چند گھنٹوں میں مجھے زندگی کی توقع نہیں ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ دفعتاً حمید نرم پڑ گیا۔

”میں چند گھنٹے آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟ کوئی وجہ؟“

”میری زندگی خطرے میں ہے۔“

”آپ نے ضرورت سے زیادہ تو نہیں پی۔“

”نہیں جناب! میں بالکل ہوش میں ہوں۔“

”تین چار دن پہلے کی بات ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”میں آر لکچو میں ایک صاحب فرما رہے تھے کہ مجھے خدا نے ایک خاص مشن پر بھیجا ہے لیکن میں کرسی سے اٹھ نہیں سکتا۔ ان کی میز پر جن کی دو خالی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔“

”میں خطرے میں ہوں جناب۔ خدا کے لئے مجھے بچائیے۔“ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اس کا کوئی دشمن وہیں موجود ہو۔

”آپ مجھے پہچانتے ہیں۔“ حمید نے خشک لہجے میں پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میرے وقت کی بربادی....!“

”جناب والا.... آپ یقین کیجئے۔ پھر آپ کا ہاتھ تو ہر وقت مجھ تک پہنچ سکتا ہے۔“

”آئیے....!“ حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں آپ سے معلوم کروں گا کہ

آپ اس وہم میں کیوں مبتلا ہو گئے ہیں۔“

اجنبی ڈگدگاتے ہوئے قدموں سے میز کی طرف بڑھا اور حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ پتے ہوئے ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ اسے ایک اچھا سبق دینا چاہئے۔ اجنبی بیٹھ چکا تھا۔ حمید بھی اسکے سامنے بیٹھتا

ہوا بولا۔ ”میں آپ کو صرف پانچ منٹ دے سکتا ہوں اگر آپ مجھے اس طرح روکنے کی کوئی معقول

وجہ نہ بتا سکے تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہونگے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔“

”اچھی طرح جانتا ہوں جناب لیکن فی الحال میرے پاس اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے

کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔“

”چلئے.... میں نے تسلیم کر لیا۔“ حمید اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”یا تو مجھے اپنے ساتھ رکھئے یا اگر فائر کر کے جیل میں ڈلواد دیجئے۔ وہاں شاید میں محفوظ رہ

سکوں۔ آپ یقین کیجئے جناب آخر میں خواہ مخواہ آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔“

”یہ بھی ناممکن نہیں ہے۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ”مگر میں یہ ضرور پوچھوں گا آپ

کس سے خوفزدہ ہیں۔“

”وہ ایک گروہ ہے جناب۔ ابھی اس کا ایک آدمی یہاں نظر آیا تھا لیکن وہ جلد ہی غائب بھی

ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری ہی تاک میں ہے۔“

”کس بناء پر یقین ہے آپ کو۔“

”میں شاید کسی حد تک اُن کے مقاصد سے واقف ہوں۔“

”سیدھی بات۔ گھماؤ پھراؤ مجھے پسند نہیں ہے۔“ حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”آپ میری قیام گاہ تک چلئے میرے ساتھ۔ پھر میں وہاں آپ کو بہت کچھ بتا سکوں گا۔“

”اور اگر میں یہیں سب کچھ سننے پر اصرار کروں تو۔“

”میں وہاں اُن لوگوں کے خلاف دستاویزی ثبوت بہم پہنچاؤں گا۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔“

حمید پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ”آپ چند ایسے لوگوں

سے خائف ہیں جن کے خلاف آپ کے پاس دستاویزی ثبوت موجود ہیں اور آپ ان سے اسی

لئے خائف ہیں کہ انہیں اس کا علم ہے۔“

”جی ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن وہ دستاویزی ثبوت آپ کے گھر پر محفوظ ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”لیکن وہ لوگ اُن دستاویزی ثبوت کو حاصل کرنے کی بجائے آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”بات سمجھ میں نہیں آتی.... فرض کیجئے۔ وہ اس دوران میں ان دستاویزی ثبوتوں کو آپ

کے گھر سے اڑا لیں....!“

”یہی تو اُن کے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ بارہا اس کی کوشش کر چکے ہیں۔“

”اور اب ناکامی کی صورت میں آپ کو بارڈالنا چاہتے ہیں۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”اچھا تو.... میں آپ کی صرف اتنی ہی خدمت کر سکتا ہوں کہ ایک پگ و ہسکی پیش کر دوں۔“

”آپ کو یقین نہیں آیا۔“ اجنبی نے مایوسی سے کہا۔

”بالکل یقین آگیا ہے۔ اب اجازت دیجئے۔“

دفعتاً اجنبی کے چہرے کی حالت بدل گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت شدت سے غصہ آگیا ہو۔ وہ چند لمحے غصیلی نظروں سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”خیر.... میں چاہتا تھا کہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کئے بغیر کام ہو جائے۔ لیکن آپ شاید دنیا کے سب سے زیادہ محتاط آدمی ہیں۔ میں خواہ مخواہ آپ کے ساتھ اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔“

حمید نے لا پرواہی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور خالی خالی نظروں سے اجنبی کو دیکھتا رہا۔

”اب جو کچھ بھی ہوگا۔“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ ”اس کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔“

حمید پائپ کے کش لیتا رہا اور اجنبی اٹھ گیا لیکن آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ دفعتاً حمید نے پائپ کی جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ کر پائپ کو جیب میں ڈال لیا.... اجنبی باریک طرف جارہا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر وہ رکا۔ پھر حمید نے اُسے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی ایک بوتل اٹھاتے دیکھا.... اور یہ بھی دیکھا کہ وہ بوتل بارمین کے سر پر توڑ دی گئی۔ بارمین کی چیخ ہال میں گونجی اور لوگ کاؤنٹر کی طرف جھپٹنے لگے۔ اجنبی گھونسنے چلا رہا تھا۔ کئی آدمی اپنی ٹھوڑیاں دبائے ہوئے بھیڑ سے الگ ہو گئے۔

حمید بھی اٹھا اور اس وقت کاؤنٹر کے قریب پہنچا جب کچھ لوگ اجنبی کو فرش پر گر کر اس کے ہاتھ باندھ رہے تھے۔

کسی نے فون پر پولیس کو اطلاع دی۔ اس علاقے کا تھانہ آر لکچو سے زیادہ دور نہیں تھا۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر پولیس آگئی، حمید دور کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ پھر جب پولیس

اجنبی کو لے جا رہی تھی حمید صدر دروازے کے قریب کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی وہ بڑے فخریہ انداز میں مسکرایا اور حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو ”تم نے دیکھا....؟“

حمید اب اس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ ہی ساتھ وہ پھر باہر سڑک پر آگیا۔ تھانہ چونکہ قریب ہی تھا اس لئے ملزم کو کسی سواری پر لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ حمید ان سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔ لیکن اب یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ متواتر اس پر اسرار آدمی پر نظر ہی جمائے رہتا۔ وہ تو بس اُن کے پیچھے چل رہا تھا۔ ملزم کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ وہ تو دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ تھانے میں پہنچ کر کیا کرتا ہے۔

دفعتاً اس نے ایک چیخ سنی اور چونک کر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اجنبی ہتھکڑیوں سمیت زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ حمید تقریباً دوڑتا ہوا اس طرف جھپٹا۔ کانٹیل اُسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید کی نظر اس کے وابستہ بازو پر پڑی جس میں ایک تیر بیوست تھا۔

”ارے.... یہ تو.... ختم ہو گیا۔“ ہیڈ کانٹیل ہکلیا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”ہٹو.... پیچھے ہٹو.... تم کون ہو۔“

حمید مرنے والے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ ”کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس یورپ۔“

”اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں پہچانتا نہیں تھا جناب کپتان صاحب۔“

”کوئی بات نہیں۔“ حمید دوسری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ اسی طرف تیزی سے چلنے لگا۔ شاید وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تیر کہاں سے آیا تھا۔

لیکن بمشکل تمام سو قدم چلا ہو گا کہ ایک دھماکہ سنائی دیا۔ وہ بوکھلا کر مڑا۔ لوگ بے تحاشہ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس جگہ گہرا دھواں طاری تھا جہاں اجنبی گرا تھا۔ حمید نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جلن محسوس کی اور دھوئیں کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ دھوئیں کا جم آہستہ آہستہ بڑھتا جارہا تھا۔ وہ سڑک کی پوری چوڑائی پر مسلط ہو گیا۔ دوسری طرف کی روشنیاں تک نہیں دکھائی دیتی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا رہا کیونکہ اس کی آنکھوں کی جلن بڑھتی

جاری تھی اور اب وہ دھواں بھی ہوا کے ساتھ منتشر ہونے لگا تھا۔

ٹریفک رک گیا۔ کافی دور تک پہچان پھیل گیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد فضا صاف ہوئی۔ مرنے والا اب بھی وہیں پڑا ہوا تھا۔ جہاں حمید نے اسے پہلے دیکھا تھا لیکن اب اس کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ وہ بالکل برہنہ تھا اور اب اس کے بازو میں تیر بھی نہیں نظر آرہا تھا کسی نے اس پر چادر ڈال دی۔۔۔ اور اب پھر اس کے گرد بھیڑ اکٹھی ہونے لگی تھی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں پہنچا جیسے ہی ہیڈ کانسٹیبل کی نظر اس پر پڑی وہ کسی بدحواس چوپائے کی طرح ہانپنے لگا۔

”اب مجھے کیا کرنا چاہئے جناب کپتان صاحب۔“ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”لاش سے تین تین گز چاروں طرف سڑک گھیر لو۔ تمہارے ساتھ پانچ آدمی ہیں۔ یہ کافی ہوں گے۔ میں تمہارے پولیس اسٹیشن اور کو توالی کو فون کئے دیتا ہوں۔“

”بہت بہتر جناب۔“ ہیڈ کانسٹیبل نے ایک طویل سانس لی۔ وہ کچھ اس انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُسے خبیث روحمیں نظر آرہی ہوں۔

حمید نے ایک دوکان سے دو تین جگہوں کے نمبر ڈائیل کئے۔ کو توالی اطلاع دی۔ اپنے محکمہ کے اس آفیسر سے رابطہ قائم کیا جو اس وقت ڈیوٹی پر تھا لیکن فریدی کہیں نہ مل سکا۔ گھر کے علاوہ بھی حمید نے کئی ایسی جگہوں آزمایا جہاں فریدی کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے مگر وہ نہ ملا۔

پانچ منٹ بعد وہ پھر جائے واردات پر پہنچ گیا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے خاصی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ چاروں طرف آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور پانچوں کانسٹیبلوں کو لاش کے گرد حلقہ قائم رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

حمید کی الجھن بڑھنے لگی۔ اب وہ یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ واقعہ پراسرار تھا لیکن یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کیپٹن حمید خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑاتا۔ وہ فریدی کی طرح مصروفیت کا بھوکا نہیں تھا۔ بیکاری اسے اکثر بہت دلکش معلوم ہوتی تھی اور یہ وہی زمانہ تھا جب کام میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ سردیاں شباب پر تھیں اور شہر کی تفریح گاہوں میں رات بھر رونق رہتی تھی لیکن یہ موقع ایسا بھی نہیں تھا کہ حمید شہر کی تفریح گاہوں کے متعلق کچھ سوچتا۔

بہر حال اُسے تو اب یہاں ٹھہر کر اپنے محکمہ کے آدمیوں کا انتظار کرنا تھا کیونکہ وہ اپنا بیان

دیئے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔

بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ ڈراسی ہی دیر میں پھر ٹریفک رک گیا۔ دو تین ڈیوٹی کانسٹیبل جو اس سڑک پر موجود تھے مجمع منتشر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن یہ ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

سب سے پہلے قریبی تھانے کا انچارج وہاں پہنچا۔ اس کے ساتھ بھی دو تین کانسٹیبل آئے تھے۔ مگر وہ بھی مجمع کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ ویسے اتنا ضرور ہوا کہ لاش کے گرد جو حصار قائم کیا گیا تھا اُسے مزید تقویت حاصل ہو گئی۔

کچھ دیر بعد محکمہ سرائی کے فوٹو گرافر بھی پہنچ گئے لیکن ابھی تک لاش پر سے کپڑا نہیں ہٹایا گیا تھا۔ حمید پور ہوتا رہا۔ اب ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا انتظار تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آمد پر لاش پر سے کپڑا ہٹایا گیا اور حمید بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ یہ تو اس آدمی کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی جسے اس نے خیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ دھواں صاف ہو جانے کے بعد تک لاش میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔ مگر اب اس کے چہرے پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ اصلی خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر حمید نے اس کے جسم پر نظر ڈالی۔ چہرے ہی کی مناسبت سے وہ بھی متورم نظر آرہا تھا۔ حمید نے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی اسے ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔ مگر حمید اتنی زیادہ اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا کہ یہ حیرت انگیز تبدیلی بھی اُسے وہاں نہ روک سکی اور وہ اپنا بیان دے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

## دوسرا تیر

فریدی کی لنکن بڑی تیز رفتاری سے ریکسن اسٹریٹ میں دوڑ رہی تھی، اور لیڈی اسپلر مس ریکھا سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے کیونکہ ریکسن اسٹریٹ شہر کی سب سے زیادہ بھری پڑی سڑکوں میں سے تھی مگر فریدی کی مہارت نے اُسے ایک بار بھی چیخنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ریکھا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس بھاگ دوڑ کا مقصد کیا ہے؟ بس وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ فریدی اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اسے کام کی نوعیت کا بھی علم نہیں تھا۔

”کیا ہم محض تفریحاً باہر نکلے ہیں۔“ ریکھا نے پوچھا۔

”نہیں تو....!“ ریکھا زبردستی ہنس کر بولی۔ ”آپ مجھے اتنی ڈرپوک کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر میں ایسے ہی کمزور دل کی ہوتی تو اس محکمے میں کیوں آتی۔“

”پتہ نہیں کیوں! بہتر ہے یونہی آجاتے ہیں۔“

فریدی کا یہ ریمارک بھی ریکھا کو کھل گیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ دل ہی دل میں جھلکتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”مگر آپ جو کچھ کرنے جارہے ہیں کم از کم اس کے مقصد سے تو آگاہ کر دیجئے۔“

”بس تمہیں وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ کر واقعات کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

”کس قسم کے واقعات۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ پھول کسی نہ کسی کو تمہارے قریب ضرور لائے گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔“

”آپ آج کل چھٹی پر ہیں۔“

”میں کبھی چھٹی پر نہیں ہوتا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ پھر آپ چھٹی لیتے ہی کیوں ہیں۔“

”کیا میں تنخواہ نہیں لیتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”سارے ہی کام ضابطے کے اندر کرتا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کیس میں اسی وقت دلچسپی لوں جب وہ محکمے کی طرف سے میرے سپرد کیا جائے۔“

”کیا یہ کوئی اہم کیس ہے جس کے سلسلے میں آپ کوئی تجربہ کرنے جارہے ہیں۔“

”اہم بھی ہو سکتا ہے۔“

”اس کی نوعیت کیا ہے۔“

”نوعیت ابھی تک روشنی میں نہیں آسکی۔“

ریکھا خاموش ہو گئی۔ وہ حمید سے بھی سن چکی تھی کہ فریدی سے کچھ معلوم کر لینا آسان کام نہیں ہے۔

”خیر....!“ ریکھا ایک طویل سانس لے کر بولی۔ ”مجھے اور کیا کرنا ہوگا۔“

”تم خود ہی کافی ذہین ہو۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”اس لئے مجھے توقع ہے کہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی۔ دراصل یہ پھول ایک طرح کا شاختی نشان ہے جس کے ذریعہ دو مختلف پارٹیوں میں پیغام رسانی ہوتی ہے۔ یہ میرا خیال ہے جسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے تجربہ کرنے

”تفریحا....!“ فریدی بڑبڑایا۔ ”نہیں میں تنہا تفریح کرنے کا عادی ہوں۔“

ریکھا اس جواب پر کچھ جھینپ سی گئی۔ دیے بھی اس کا سوال تشنہ تھا۔ فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ ریکھا بھی خاموش ہی رہی۔

آخر کچھ دیر بعد کار چھتھم روڈ پر مڑ رہی تھی، فریدی بولا۔ ”چائینیز کارنز میں تمہیں جانا پڑے گا.... اور یہ لو.... اسے اپنے کوٹ کے کالر میں بائیں جانب پن کر لو۔“

اس نے جیب سے کچھ نکال کر ریکھا کو دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ اسٹیرنگ پر تھا اور آنکھیں سامنے مڑک پر۔

وہ سرخ رنگ کا ایک مصنوعی گلاب تھا۔ ریکھا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ چند لمحے ذہن پر زور دیتی رہی پھر ہکٹائی۔ ”م.... میں نہیں سمجھی.... یہ پھول۔“

”یہ گلاب کا پھول ہے، اسے اپنے بائیں کالر میں پن کر لو۔“

”اوہ....! شکریہ۔“ ایک بیک ریکھا کھل گئی۔

”تم غلط سمجھیں۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”یہ تحفہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ میں ایک تجربہ کرنے جا رہا ہوں۔ تم یہ پھول لگا کر چائینیز کارنز میں جاؤ گی۔ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔ میں صرف یہ دیکھوں گا کہ اس پھول کی وجہ سے تمہیں کن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔“

”اوہ....!“ ریکھا ہونٹ سکڑ کر رہ گئی۔ اس کے چہرے کی تازگی رخصت ہو گئی تھی۔ وہ اکثر غلط فہمی میں مبتلا رہ جاتی تھی کہ فریدی اس کی طرف جھک رہا ہے۔ حمید اسے محسوس کر کے بغلیں بجاتا اور پیشین گوئی کرتا کہ وہ آئندہ سال تک ٹی۔ بی میں مبتلا ہو کر مر جائے گی۔

فریدی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اب تک نہ جانے کتنی عورتیں اس کے خط میں مبتلا رہ کر مایوس ہو چکی تھیں۔ ریکھا بھی ان میں سے ایک تھی، لیکن ابھی اس کا ذہن مایوسی کی سرحدیں نہیں چھو سکا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن فریدی کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جائے گی.... مگر اس وقت کا ذہنی جھک اس کے لئے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ اس جھٹکے میں خجالت کا زور بھی شامل تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا سچ اس آدمی کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا ہی ہے۔

دفعتاً فریدی پھر بولا۔ ”کیا تم ہچکچا رہی ہو۔“

”کس بات سے۔“

”اسی تجربے سے۔“

دیکھا۔ حقیقتاً وہ سو فیصدی بندر معلوم ہوتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ویسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے بندر دانت نکالتے ہیں۔

”میرا نام فنج ہے..... فنج..... صوتی اعتبار سے بھی میری شخصیت سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ کیا خیال ہے مس..... اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ ابھی مس ہی ہیں۔“

”ضروری نہیں ہے کہ میں بھی آپ کو اپنا نام بتاؤں۔“ ریکھانے خشک لہجے میں کہا۔  
 ”ضروری تو نہیں ہے۔“ فنج آہستہ سے بولا۔ ”لیکن ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کرنے کے لئے پھر اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔“

دفتار دیکھا سنبھل گئی۔ وہ بہر حال کسی مقصد کے تحت یہاں آئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے اس رویہ کی بناء پر حصول مقصد میں ناکامی ہوتی۔

وہ پیشہ ور عورتوں کے سے انداز میں مسکرائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”ریکھا..... میرا نام ریکھا ہے۔“

”تو..... مس ریکھا۔ کیا آپ یہاں اس کارز میں اکثر آتی رہتی ہیں۔“ فنج نے پوچھا۔

”مجھے یاد نہیں کہ میں یہاں کتنی بار آئی ہوں۔“

”شے..... ار..... کیا آپ کو گلاب بہت پسند ہیں۔“

”ہاں..... ہیں تو..... لیکن بہت جلد کھلا جاتے ہیں اسلئے میں انکی نقل زیادہ پسند کرتی ہوں۔“  
 ”میرے پاس ایک ایسا لوشن ہے.....“ فنج اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”جو گلابوں کو کم از کم ایک ہفتے تک تروتازہ رکھتا ہے۔“

”اوہ.....!“ ریکھا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ ”میں ایسے لوشن کے لئے اپنی آدمی سلطنت دے سکتی ہوں۔“

”میں آپکو اس لوشن کی ایک بڑی مقدار دے سکتا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ چل سکیں گی۔“

”اوہ..... میں ضرور چلوں گی۔“ ریکھانے بے پایاں مسرت کا اظہار کیا۔

فنج اٹھ گیا۔ ریکھا بھی اٹھی۔ فریدی ان کی طرف پشت کئے بیٹھا اخگر پر جھکا ہوا تھا۔

ریکھا اس پر ایک اچھتی ہوئی سی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ وہ باہر آئے، فنج اسے جس کار کی طرف لے جا رہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان۔

سیڈان ہموار سڑک پر تیرنے لگی۔

ریکھانے کئی بار سوچا کہ مڑ کر دیکھے مگر پھر ایسا نہ کر سکی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی کی

”اچھا میں سمجھ گئی۔ آپ ان پارٹیوں میں سے کسی ایک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔“  
 ”دھوکا غیر مناسب لفظ ہے۔ جب قانون کے محافظ اس قسم کی کوئی چال چلتے ہیں تو اُسے حکمت عملی کہا جاتا ہے۔“ فریدی کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔  
 پھر چائیز کارز سے کچھ فاصلے پر اس نے کار روکتے ہوئے کہا۔ ”اب تم اتر جاؤ۔ ایک بار پھر سن لو کہ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔“  
 ”جی ہاں! مجھے یاد ہے۔“ ریکھا کہتی ہوئی اتر گئی۔  
 فریدی نے کار دوسری سڑک پر موڑ دی اور ایک بڑی عمارت کا چکر لگا کر چائیز کارز کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ شہر کے بڑے ریسٹورانوں میں سے تھا اور اس کا مالک ایک چینی فوجی تھا۔  
 ریکھا اندر جا چکی تھی۔ فریدی بھی کار سے اتر کر ریسٹوران میں داخل ہوا۔ یہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ ریکھا ایک میز پر تنہا نظر آئی۔ اس کے قریب ہی دوسری میز بھی خالی تھی۔  
 فریدی نے اپنے لئے وہی میز منتخب کی۔ تقریباً بیس منٹ گزر گئے لیکن توقع کے مطابق ریکھا کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوا۔ ریکھا کافی پی چکی تھی اور اب اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی منتظر ہے۔  
 پچیس منٹ گزر جانے کے بعد ریکھا کے ذہن پر اکتاہٹ نے حملہ کر دیا۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا، ویسے اُسے علم تھا کہ فریدی اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ہے مگر اُس نے اس دوران میں ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔  
 دفتار دیکھا کا دل دھڑکنے لگا کیونکہ ایک آدمی اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک گوشے کی میز سے اٹھا تھا اور اس نے اُسے اُسی وقت دیکھا تھا جب وہ یہاں داخل ہوئی تھی۔ وہ تھا بھی کچھ اسی جسم کا آدمی کہ اُس پر خاص طور سے نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور نیلی تھیں۔ جڑے بندروں کے سے تھے اور پیشانی پر سایہ کہنے ہوئے چھوٹے چھوٹے چھوٹے ہونے والے بال بھی پہلی نظر میں اُسے بندروں ہی کی کسی ترقی یافتہ نسل کا ایک فرد ثابت کرتے تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں لیکن لباس سے وہ کمتر حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گھڑی کی زنجیر میں مختلف رنگوں کے جواہرات نظر آرہے تھے۔

”آپ کی اجازت سے۔“ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

”اوہ..... ضرور..... ضرور.....!“ ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے

لیکن اس سیدان سے زیادہ دور نہ ہوگی۔ فنج خاموش تھا۔ ریکھا کا دل دھڑک رہا تھا مگر اس دھڑکن کا تعلق خوف سے نہیں تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ یقیناً کوئی گہرا معاملہ ہے۔ ورنہ فریدی اُسے اس طرح کسی تجربے کی سمجھ نہ چڑھاتا۔

سیدان مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ریکھا نے راستے کی تفصیل ذہن میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ قدرتی بات تھی کیونکہ وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف جارہی تھی۔ آخر یہ سفر میں منٹ بعد ختم ہو گیا۔ کار ایک عظیم الشان عمارت کی کپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

پھر وہ پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ فنج نے نیچے اتر کر دروازہ کھولا۔ نہ جانے کیوں نیچے اترتے وقت ریکھا کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔

”اس طرف“ فنج نے بڑے ادب سے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ اور ریکھا ساتھ ساتھ چلتے گئے۔

”میں یہیں رہتا ہوں۔“ فنج بولا۔

”ہوں۔“ ریکھا نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا۔ فنج ابھی تک انگریزی ہی میں گفتگو کرتا رہا تھا اور ریکھا اندازہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ کس قوم اور نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ وہ انگریز معلوم ہوتا تھا اور نہ مقامی باشندہ۔

چال ڈھال سے بہت زیادہ پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک بہت کمرے میں آئے جسے ہال ہی کہنا مناسب ہوگا۔ ریکھا متحیر تھی، کیونکہ ابھی تک اسے اس بڑی عمارت میں ایک تنفس بھی نہیں نظر آیا تھا۔

فنج چلتے چلتے رک گیا۔ وہ دونوں ہال کے وسط میں کھڑے تھے۔

دفتر ریکھا نے قدموں کی آہٹ سنی اور ایک دروازے سے ایک دروازہ آدمی ہال میں داخل ہوا۔ یہ سچ آتا ہی لمبا تھا کہ وہ اور فنج ساتھ مل کر ”ڈیڑھ“ کا عدد بنا سکتے تھے۔

اس نے تیز نظروں سے ریکھا کا جائزہ لیا اور فنج کی طرف دیکھنے لگا۔

فنج نے اُس سے کچھ کہا لیکن ریکھا نے سمجھ سکی کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا ایسی زبان میں

کہا تھا جو ریکھا کی سمجھ سے باہر تھی۔

دراز قد آدمی نے جواب میں بھی کچھ کہا اور ریکھا کو ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک دیکھ کر واپس جانے کے لئے مڑا لیکن ابھی بمشکل دو ہی تین قدم چلا تھا کہ یک یک چیخ کر منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پشت میں ایک بڑا سا تیر پست تھا۔ فنج اچھل کر بھاگا۔ ریکھا بھی غیر ارادی

طور پر اسی کے پیچھے جھپٹی۔ شاید وہ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کا یہ فعل سو فیصدی اضطرابی تھا۔ وہ فنج کے پیچھے دوڑتی رہی لیکن ایک بار ایسا بھی ہوا کہ فنج اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ صرف اس کے قدموں کی آواز کی سمت دوڑتی رہی۔ یہ ایک تاریک راہداری تھی۔

پھر فنج کے قدموں کی آواز بھی سنائے میں گم ہو گئی لیکن ریکھا اسی طرح دوڑتی رہی۔ دفعتاً وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اندھیرے میں ادھر ادھر ٹٹولنے لگے۔ بائیں جانب اسے خلاء محسوس ہوئی اور وہ ادھر ہی مڑ گئی۔ ٹھیک اسی وقت اس کے چہرے پر نارنج کی روشنی پڑی اور اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی ”کیا بات ہے؟“

## غیر ملکی سفر

کچھ دیر بعد ریکھا نے محسوس کیا کہ وہ فریدی کے بازو پر تکی ہوئی بری طرح کانپ رہی ہے۔

”وہ.... وہاں....!“ ریکھا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”ایک لاش ہے۔“

فریدی اپنا بازو ہٹاتا ہوا بڑبڑایا۔ ”یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی کہ اس جگہ میں عورتوں کو کیوں جگہ دی جاتی ہے۔“

ریکھا کچھ نہ بولی۔ نہ جانے اُسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ اُسی وقت اپنا ذہن کریدنے لگی۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھی۔ پھر فریدی کی آواز سنتے ہی یک بیک وہ اس طرح ڈر کیوں گئی تھی۔ اس کا جسم کیوں کانپنے لگا تھا۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر بازو کا سہارا نہ دینا تو وہ گر ہی پڑی ہوتی۔

”وہ بندز کہاں ہے۔ تم بھاگ کیوں رہی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”وہ بھاگ گیا۔“ ریکھا نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”اور اُس کے ایک ساتھی کو کسی نے قتل کر دیا۔“

”اوہو....!“

کچھ دیر بعد ریکھا اُسے محض یادداشت کے بھروسے پر اس کمرے کی طرف لے جا رہی تھی جہاں اُس نے لمبے آدمی کو تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچتے ہی انہیں روشنی نظر آنے لگی۔ عمارت کا روشن حصہ اب بھی روشن تھا مگر وہاں زندگی کے آثار نہیں معلوم

ہو۔ نہ تھے۔ وہ دونوں صرف اپنے قدموں کی آوازیں سن رہے تھے۔

ریکھا اس بڑے کمرے کو تلاش کرنے میں جلد ہی کامیاب ہو گئی جہاں سے وہ فنج کے ساتھ بدحواسی میں بھاگی تھی۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی وہ بوکھلا کر پلٹ پڑی۔ فریدی اگر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو وہ اس سے بُری طرح ٹکرائی ہوتی۔ اس بدحواسی کی وجہ یہ تھی کہ اب فرش پر پڑے ہوئے آدمی کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ فریدی اُس سے کچھ پوچھے بغیر آگے بڑھا اور ایک دروازے کا پردہ کھینچ کر لاش پر ڈال دیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے پہلی ہی نظر میں کر لیا تھا کہ وہ لاش ہی تھی۔ پھر وہ ریکھا کی طرف مڑ کر بولا۔ ”کیا تم نے پہلے بھی لاش ہی دیکھی تھی۔“

اس پر ریکھا نے لاش کی طرف مڑے بغیر جلدی جلدی پورا واقعہ دہرایا۔

”میں نے اس پر کپڑا ڈال دیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔۔۔۔۔ لیکن پھر بھی ریکھا لاش کی طرف مڑتے ہوئے ہچکچاہی تھی۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔“ ریکھا لاش کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہکلائی اور پھر دم بخود رہ گئی جس کے تیر لگا تھا وہ اتنا مونا آدمی نہیں تھا۔ اس کا چہرہ تو فٹ بال معلوم ہو رہا تھا اور یہ بتانا دشوار تھا کہ ناک کہاں پر ختم ہوئی تھی اور ہونٹوں کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی۔ پیشانی کے گوشت نے آنکھیں ڈھانپ لی تھیں۔

”کیا کہنا چاہتی ہو۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”یہ اس آدمی کی لاش نہیں ہے، جسے میں نے گرتے دیکھا تھا۔“

لاش کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ”ورم ہے۔۔۔۔۔“

اس کے پورے جسم پر ورم ہے۔“

پھر وہ لاش کے نیچے سے بہے ہوئے خون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”وہ آدمی یقیناً اتنا ہی لمبا تھا۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔!“ ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”دیکھو۔۔۔۔۔! یہاں کہیں فون بھی ہے۔ مگر نہیں ٹھہر۔۔۔۔۔ میں بھی چلتا ہوں۔ ذرا ایک نظر اس عمارت پر بھی ڈال لی جائے۔ کیا یہاں صرف دو ہی آدمی تھے۔“

”لیکن اگر یہ وہی آدمی ہے تو اس کے کپڑے کس نے اتارے اور تیر بھی شاید غائب ہے جو

اس کی پشت میں پیوست ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔“ ریکھا نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ کوئی بہت بڑا الجھاؤ پیدا کرے گا۔“

”وہ اس کمرے سے نکل کر عمارت کے دوسرے گوشوں میں چکرانے لگا۔ لیکن انہیں اپنے علاوہ ایک بھی تفتش نظر نہ آیا۔ ریکھا اس بڑی عمارت اور اس کے ساز و سامان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

وہ پوری عمارت میں گھوم پھر کر اُس کمرے میں آئے جہاں انہوں نے فون دیکھا تھا۔ فریدی نے اپنے آفس کے نمبر ڈائل کئے۔

ریکھا اُسے گفتگو کرتے سنتی رہی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے حیرت کے آثار نظر آرہے تھے۔ جب وہ ریسورر رکھ کر ریکھا کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک دکھائی دی جس کا مفہوم سمجھنا کم از کم ریکھا کے بس کی بات نہیں تھی۔

”یقیناً یہ واقعات الجھاؤ پیدا کریں گے۔“ فریدی بڑبڑایا۔

”میں نہیں سمجھی۔ آپ نے کچھ دیر پہلے بھی یہی بات کہی تھی۔“

”یہ وہی آدمی ہو سکتا ہے جسے تم نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔“

”مگر اس کی شکل مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“ ریکھا بولی۔

”ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ دیر قبل ایسا ہی ایک واقعہ حمید کو بھی پیش آیا ہے۔“

آر لکچو کے قریب کسی نامعلوم آدمی نے ایک آدمی پر تیر سے حملہ کیا اور پھر اس کے

کپڑے اتار لے جانے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا گیا۔“

”کپڑے اتارنے کے لئے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ کیوں؟ کیا یہ آدمی جو اس کمرے میں ہے گرتے وقت برہنہ تھا۔“

”نہیں۔“

”تو پھر اس کے کپڑے اتار لئے گئے ہیں۔ یہ کام شارع عام پر مشکل تھا اس لئے بم پھینکا گیا

اور اسی دھوئیں کی آڑ میں وہ لوگ اپنا کام کر گئے۔“

”مگر کپڑے اتار لینے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

”خدا جانے۔۔۔۔۔!“ فریدی آہستہ سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر لاش والے

کمرے میں واپس آگئے۔

”ابھی فون پر میں نے محکمے کے فونوگرافروں کو طلب کیا تھا۔“ فریدی لاش پر نظر جمائے

ہوئے بولا۔ ”مگر فونوگرافر اس وقت آر لکچو کے قریب مصروف ہے۔“

”تو دوسرے واقعہ کی اطلاع آپ کو فون پر ملی ہے۔“



سفیر کے تینوں ساتھی مسلح تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ہولسٹروں پر رکھ لئے۔ پھر جیسے ہی فریدی نے اپنا وزینگ کارڈ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ایک آدمی اپنا ریو اور نکالتا ہوا بولا۔  
”اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔“

لیکن اتنی دیر میں فریدی وزینگ کارڈ جیب سے نکال چکا تھا۔ اس نے اس آدمی کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی جس نے ریو اور نکالا تھا۔

”میرا کارڈ.....!“ فریدی نے کارڈ سفیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سفیر نے کارڈ لیا لیکن اس کی نظر بدستور لاش پر جمی رہی اور پھر وہ اس وقت چو نکا جب اس کا ساتھی فریدی سے دوبارہ ہاتھ اٹھانے کو کہہ رہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے کارڈ پر چھپا ہوا نام پڑھا پھر اپنے مسلح ساتھیوں کی طرف مڑ کر کچھ کہا۔  
ریکھانہ سمجھ سکی کہ اس نے کیا کہا تھا۔ بہر حال اس نے دیکھا کہ ریو اور پھر ہولسٹر میں ڈال لیا گیا۔

”آپ کا یہاں کیا کام کر رہے ہیں؟“ سفیر نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔  
فریدی لاش کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”اس سلسلے میں..... لیکن آپ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ میں یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوا ہوں۔“

”میں کہہ سکتا ہوں کر رہے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ لاش.....!“

”میں نے یہاں ڈالی ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔

سفیر کے ہونٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ غالباً وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر کسی فوری خیال کے تحت خاموش ہو گیا تھا۔

”کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ لڑکی یہاں کیوں لائی گئی تھی۔“ فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

”کیوں لائی گئی تھی۔“ سفیر نے حیرت سے دہرایا۔ ”میں آپ کی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔“

”میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔“ فریدی لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کون ہیں۔“

”یقیناً.....!“ سفیر مسکرا کر بولا۔ ”مگر وہ بھی آپ ہی کی طرح اپنا وزینگ کارڈ پیش کر سکے۔“

فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ”آپ نے مجھے کیوں طلب

”ہاں..... ابھی..... ابھی..... وہ لاش بھی کچھ دیر بعد متورم ہو گئی تھی۔ بالکل اسی انداز میں کہ حمید کو اُسے شناخت کرنے میں تامل ہوا تھا۔“

”تیر اور لباس وہاں بھی غائب ہے۔“ ریکھانہ متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں.....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ریکھانہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اُس نے پوچھا۔ ”کیا آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔“

”ہرگز نہیں..... میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”پھر آپ کا تجربہ.....!“

”اوہ..... وہ اس سے مختلف تھا۔ ٹھہرو۔ کیا تم جانتی ہو کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔“

”نہیں! میں نہیں جانتی۔“

”ایک غیر ملک کا سفیر یہاں رہتا ہے۔ ہمارے یہاں کی ایک سیاسی پارٹی اس ملک کی ہمدرد ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس پارٹی کے بعض افراد حکومت کے راز حاصل کر کے اس ملک کے سفارت خانے تک پہنچاتے ہیں اور طریق کار بھی ہوتا ہے۔ وہ سرخ گلاب لگا کر چائیز کارنر میں جاتے ہیں اور وہاں سے کوئی آدمی انہیں سفیر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ سرخ گلاب دراصل شناخت کا نشان ہے۔“

”تو وہ..... چھوٹا آدمی فینچ اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہے۔“ ریکھانہ پوچھا۔

”پتہ نہیں..... ویسے میں نے اُسے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔“

”یہ فینچ کیسا نام ہے۔ وہ انگریز تو نہیں معلوم ہوتا۔“

”میرا خیال ہے کہ پر تکیز گودن ہے۔ مگر یہ چیز میرے لئے بڑی متحیر کن ہے کہ یہاں ایک ملازم بھی نظر نہیں آتا۔“

”اور سفیر کا بھی پتہ نہیں ہے۔“ ریکھانہ بڑبڑائی۔

”یہ کوئی خطرناک کھیل ہے۔“ فریدی لاش کو گھورتا ہوا بولا۔ ”محکمہ خارجہ کیلئے درد سر۔“

ٹھیک اُسی وقت کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر چار سفید فام غیر ملکی ہال میں داخل ہوئے لیکن ان دونوں کو دیکھ کر انہیں دروازے کے قریب ہی ٹھک جانا پڑا۔ فریدی نے اپنی فلت بیٹ اتاری اور ریکھانہ بھی ان میں سے سفیر کو پہچان لیا۔

”تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔“ سفیر نے آگے بڑھ کر غصیلے لہجے میں پوچھا اور پھر لاش پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

فرمایا تھا۔

”میں نے! کون کہتا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”میں کیوں بلاؤں گا آپ کو۔“

”یہ میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھے فون کیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے جب میں یہاں آیا تو پھانک پر سنتری موجود نہیں تھا۔ مجھے ایک نوکر بھی نہ مل سکا جس سے میں اپنا وزینگ کارڈ آپ تک بھجواتا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے پورا کیسیلنسی....!“

سفیر خاموش رہا۔ فریدی بولا۔ ”پھر میں نے محسوس کیا کہ عمارت ویران ہے جہاں سے مجھے سنتری کی غیر حاضری کا احساس ہوا تھا، وہیں سے میرے فرائض کی حدود شروع ہو گئی تھی۔ میں آپ کی اجازت حاصل کئے بغیر بھی عمارت میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب میں اندر آیا تو یہ لاش ملی۔ پوری عمارت ویران پڑی تھی۔“

”اور یہ لڑکی....؟“ سفیر نے سوال کیا۔

”لیڈی انسپکٹر ریکھا فرام اٹلی جنس بیورو۔“

”کیا مطلب....!“ سفیر چونک کر بولا۔ ”ابھی آپ نے کہا تھا کہ یہ لڑکی یہاں زبردستی لائی گئی تھی۔“

”نہیں تو.... آپ نے غلط سنا ہوگا۔“

سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے کھسکنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ یہیں ٹھہریے جناب۔ آپ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں مل سکیں گے جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔“

”کیا بکواس ہے۔“ دفعتاً سفیر کو غصہ آگیا۔ ”تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔“

”اس سے پہلے آپ کو جواب دہ ہونا پڑے گا کہ وہ سنتری کہاں ہے جو آپ کی حفاظت کے لئے ہماری حکومت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے۔“

”صرف وہی سنتری جواب دہ ہو سکتا ہے جو ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہے اور تم ان لوگوں کو روک نہیں سکتے۔“ عقلمندی کو دخل دو۔ ہو سکتا ہے تم پر کوئی بڑی مصیبت ٹوٹ پڑے۔“

”فی الحال ایسا تو کوئی پروگرام نہیں ہے کہ میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکوں، یہ بھی

ممکن نہیں ہے کہ آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں کیونکہ میں تھوڑی ہی دیر پہلے محکمے سے رابطہ قائم کرنے کے لئے آپ کا فون استعمال کر چکا ہوں اور میرے آفیسر جانتے ہیں کہ میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔“

سفیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے دونوں ساتھی بُری طرح مضطرب نظر آرہے تھے۔

”اچھا....!“ سفیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔“

”میں معافی چاہتا ہوں پورا کیسیلنسی۔ میں فی الحال یہاں سے جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب پولیس یہاں پہنچ جائے۔“

”تم سچ کچھ کسی کچھوے کی طرح مضبوط پشت رکھتے ہو۔“ سفیر نے مسکرا کر کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر سنجیدگی سے بولا۔ ”میں نے تمہیں بلایا تھا میں اس وقت ایک سفارت خانے کی دعوت سے واپس آیا ہوں۔ مجھے بھی پھانک پر سنتری نہیں ملا تھا۔ ملازمین نہ جانے کہاں گئے اور پھر اب میں یہاں ایک لاش دیکھ رہا ہوں۔“

سفیر خاموش ہو کر فخریہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے لاپردائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور پھر لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ سفیر اور اس کے تینوں ساتھی وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے میں گھٹی بجی اور سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے پھر دہارا سے جانا چاہا لیکن فریدی اُسے روکتا ہوا دیکھا سے بولا۔ ”تم دیکھو.... شاید پولیس آگئی ہے۔“

دیکھا کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پولیس آئی سب کے بیانات ہوئے۔ اگر فریدی اپنا بیان پہلے نہ دیتا تو ریکھا بڑی الجھن میں پڑ جاتی۔ کیونکہ فریدی کچھ ہی دیر پہلے سفیر سے کئی قسم کی باتیں کر چکا تھا۔ بہر حال اس نے فریدی ہی کے بیان کو دہرا دیا۔ یعنی وہ فریدی کی کوٹھی میں موجود تھی، جب سفیر کا فون فریدی کے لئے آیا تھا اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس کی کوٹھی میں پہنچ جائے کیونکہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہے اور پھر جب وہ فریدی کے ساتھ یہاں پہنچی تو کوٹھی ویران پڑی تھی۔ باہر پھانک پر سنتری بھی موجود نہیں تھا۔ پھر یہاں اسے وہ لاش نظر آئی۔ فریدی نے کوٹوالی فون کیا اور اپنے محکمہ کو اطلاع دی۔ اس کے بعد ہی سفیر بھی آگیا جس کے ساتھ تین آدمی تھے۔“

سفیر کا بیان تھا کہ وہ چھ بجے ناروے کے سفارت خانے کی طرف سے دی گئی ایک دعوت

میں شرکت کرنے کے لئے گیا تھا اسے نہیں معلوم کہ اس کی عدم موجودگی میں وہاں کیا ہوا۔ واپسی پر اسے ایک لاش ملی اور یہ دونوں نظر آئے، جو قطعی غیر قانونی طور پر عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس نے لاش کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ریکھا کو حیرت تھی کہ آخر فریدی نے فنج کا تذکرہ کیوں نہیں چھیڑا۔

کچھ دیر بعد لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی۔ واپسی پر ریکھا نے فریدی سے کہا: ”بڑا عجیب تجربہ تھا۔“  
”جو نامکمل رہا۔“ فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔ ”مگر سنتری کا کیا بنا جب تم اندر پہنچی تھیں تو پھانک پر سنتری موجود تھا یا نہیں۔“

”کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے خود بھی حیرت تھی کہ اتنی بڑی عمارت اس طرح ویران پڑی ہوئی ہے۔“  
”مگر یہ سب ہوا کیا۔“

”کچھ بھی نہ ہوا۔ فنج نکل گیا اور اس کا ساتھی مارا گیا۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ خود اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا یا کوئی دوسری پارٹی ان معاملات میں دلچسپی لے رہی ہے۔“  
”مگر معاملات ہیں کیا؟“

”معاملات جو کچھ بھی ہوں ابھی میرے ذہن میں صاف نہیں ہیں۔ فی الحال میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ سفارت خانہ ایک مقامی سیاسی پارٹی کو وزغلا رہا ہے اور مصنوعی گلاب اس تحریک کا نشان ہے۔“

”تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ فنج اور اس کا ساتھی اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتے ہیں۔“  
”ٹھہرو۔۔۔ مجھے سوچنے دو۔“ دفعتاً فریدی بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

”سنتری غائب ہے۔۔۔ ملازمین غائب۔ کیا آج یہاں کوئی اہم بات ہونے والی تھی۔۔۔ اوہو۔ ہمیں پھر چائیز کارنر کی طرف واپس چلنا چاہئے۔ تم آج کسی اور کے دھوکے میں سفیر کی قیام گاہ تک لے جائی گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جگہ لینے والی عورت اب بھی وہاں فنج یا کسی دوسرے آدمی کی منتظر ہو۔ تم اب یہ پھول اپنے کار سے نکال لو۔۔۔ گاڑی لے کر میرے گھر جاؤ۔ حمید سے کہنا کہ وہ گھر ہی پر رہے میں اُسے کسی وقت بھی فون کر سکتا ہوں۔“

## بے آواز فائر

ریکھا جا چکی تھی۔ فریدی نے اپنی کار سے اترتے ہی ایک ٹیکسی لے لی تھی اور اب چائیز

کارنر کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ جیسے ہی وہ کارنر میں داخل ہوا اس کی نظر ایک خوبصورت سی لڑکی پر پڑی جس کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ وہ کسی کالج کی طالبہ معلوم ہوتی تھی اور اس کے کوٹ کے کارلر پر مصنوعی سرخ گلاب نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئی ہو۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار تھے۔

فریدی سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا۔  
”آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔“ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔  
”جی نہیں۔“ لڑکی زبردستی مسکرائی۔ ”دراصل میں خود ہی پندرہ منٹ بعد پہنچی تھی۔“  
”یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مجھے بھی آج دیر ہو گئی۔ آئیے اب دیر نہ کرنی چاہئے۔“ فریدی کے ساتھ وہ بھی اٹھ گئی۔

لیکن دروازے سے گذرتے وقت اچانک لڑکی نے فریدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: ”نہیں میں نہیں جاؤں گی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔“  
”اچھی بات ہے تو اب اس گلاب کو اپنے کارلر سے نکال دو۔“

لڑکی نے گلاب پر اپنا دہانہا تھ رکھ لیا اور پھر جب فریدی اسے ایک ٹیکسی میں بٹھا رہا تھا اس نے کانپتے ہوئے کہا: ”میں نہیں جاؤں گی۔“

”حمایت کی بات نہ کرو۔“ فریدی نے آہستہ سے اُسے پچھلی سیٹ پر دھکا دیا اور پھر خود بھی بیٹھتا ہوا دروازہ بند کر کے بولا۔ ”آخر تم ڈر کیوں رہی ہو۔“  
”مجھے بتایا گیا تھا کہ۔۔۔ ایک چھوٹے قد کا آدمی۔۔۔!“

”اکثر تبدیلیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ چھوٹے قد کا بندر اچانک بیمار ہو گیا ہے۔“  
ٹیکسی چل پڑی۔ فریدی نے ڈرائیور کو اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا تھا۔ فریدی نے لڑکی سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور نہ خود ہی بولی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ٹیکسی کوٹھی کی کپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ فریدی نے لڑکی سے نیچے اترنے کو کہا۔۔۔ نہ جانے وہ کیوں کانپ رہی تھی۔ اس نے بے چون و چرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دیا اور پورچ کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے بولا۔ ”چلو۔۔۔!“

حمید اور ریکھا سے برآمدے میں مڈ بھیڑ ہوئی۔ ریکھا شامد واپس جا رہی تھی۔ فریدی کے

ساتھ ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کر حمید کی جو کیفیت ہوئی ہوگی اس کا اظہار ہی فضول ہے۔  
 دیکھا بھی رک گئی لیکن فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر لڑکی کو اندر لیتا چلا گیا۔  
 ”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے نشست کے کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔  
 لڑکی خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے شبہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھوں میں پڑ گئی ہے۔ فریدی کے دوسری بار کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔  
 اتنے میں دیکھا اور حمید بھی وہاں پہنچ گئے۔ لڑکی ان کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن فریدی اب بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ دفعتاً اس نے لڑکی سے کہا۔  
 ”اس وقت تم سے اٹھ لی جنس یوریو کا کرل فریدی ہم کلام ہے۔“  
 ”نہیں.....!“ لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ نرمی طرح کانپنے لگی۔  
 ”تم کب سے ان لوگوں کے لئے کام کر رہی ہو۔“ فریدی نے اس کی چیخ کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔  
 ”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“ فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔  
 ”میں کچھ..... نہیں..... جانتی۔“ لڑکی ہکلائی۔  
 ”لیکن وہ سرخ گلاب.....!“  
 لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔

”تمہاری خاموشی اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔“ فریدی بولا۔ ”کیونکہ تم اس چھوٹے قد کے بندر کا تذکرہ پہلے ہی کر چکی ہو۔“  
 دفعتاً لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔

”بہت ہولنا! جناب!“ حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”آپ خواہ مخواہ اس ننھی سی بچی کو پریشان کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس بچاری کو دھوکا دیا گیا ہے۔“  
 ”جج..... جی ہاں..... دھوکا..... دھوکا.....“ بڑی ہچکیوں کے درمیان بولنے کی کوشش کرنے لگی۔ ”م..... میں..... بے قصور..... ہوں۔“

”دیکھا.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”میں پہلے ہی جانتا تھا۔ دیکھو..... وہ پھول مجھے تو دینا۔“  
 لڑکی نے جیب سے پھول نکالا اور حمید اسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ ”ہاں یہ وہی پھول ہے۔“

پھر اس نے فریدی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ”واقعی یہ بچاری دھوکا کھا گئی ہے۔ یہ پھول۔!“  
 اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ لڑکی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے سسکیاں لیتی رہی۔ ایک ایک فریدی اٹھا اور دیکھا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گیا۔  
 ”مجھے افسوس ہے کہ تم اس مصیبت میں پھنس گئیں۔ میں کوشش کروں گا کہ کرل صاحب تمہیں مصیبت سے بچالیں۔“  
 ”میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی جناب۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہچکیاں کم ہوتی جا رہی تھیں۔

”میں جانتا ہوں کہ تم بہت شریف لڑکی ہو۔ تم مجھے اس کا پتہ بتاؤ جس نے تمہیں اس دلدل میں پھنسا ہے۔“

”میرے کالج کی ایک لیکچرار نے۔“

”تم کس کالج میں پڑھتی ہو۔“

”نیشنل گرلز کالج میں۔“ لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میں ایک غریب لڑکی ہوں جناب۔ میرا باپ اندھا ہے۔ اس کی قلیل پنشن پر خاندان کا گزارہ ہے میری تین چھوٹی بہنیں اور بھی ہیں۔ بھائی ایک بھی نہیں ہے۔ میں زیر تعلیم ہوں۔ آپ خود سوچئے کہ ان دنوں کمائی کی وجہ سے کتنی مشکلات کا سامنا پڑتا ہے۔ بہر حال مجھے ایک اچھے سے ٹیوشن کی تلاش تھی۔ میرے کالج میں ایک لیکچرار ہیں مس درما۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے لئے مزید آمدنی کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکالیں گی۔ آج انہوں نے مجھے ایک خط دیا جو لغافے میں بند تھا اور کہا کہ میں ٹیک نوبے چائیز کارنر میں پہنچ جاؤں۔ وہاں مجھے ایک چھوٹے قد کا غیر ملکی لے گا اور وہ مجھے ایک دوسرے آدمی کے پاس لے جائے گا۔ میں وہ خط اُسے دوں گی اور مجھے کام مل جائے گا۔ مس درما نے بتایا کہ ایک غیر ملکی سفیر اپنے بچوں کو اردو پڑھوانا چاہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لازمی طور پر بڑی اچھی تنخواہ ملے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پیلاہی پنشن سے بھی زیادہ ہو۔ مگر اب مس درما نے مجھے یہ پھول دیا اور کہا کہ اسے اپنے کوٹ کے کالر میں لگا دو ورنہ اس آدمی کو ہمیں پہچاننے میں دشواری ہوگی تو میں ٹھک گئی۔ آخر اس اتنے سے معاملے کے لئے اتنے محاذے کیوں کیا وہ مجھے اس آدمی کا پتہ نہیں بتا سکتی تھیں۔ میں خود ہی جا کر اسے مل لیتی۔ آخر ملاقات کسی ریسٹوران میں کیوں قرار پائی تھی۔ میں جتنا بھی اس مسئلے پر غور کرتی میری الجھن جیتی جاتی۔ میں نے مس درما کے متعلق یہ بھی سن رکھا تھا کہ وہ کسی زمانے میں ایک دہشت پسند

پارٹی کی سرگرم کارکن رہ چکی ہیں اور پھر انہوں نے جو لفافہ مجھے دیا تھا اس پر لاخ کی مہریں لگی ہوئی تھیں یعنی اگر میں لفافے کو کھول کر خط پڑھنا چاہتی تو یہ بھی ممکن نہ ہوتا۔ آپ خود سوچئے ایک سفارشی خط کے لئے اتنا اہتمام کیوں۔ اتنی احتیاط کیوں کہ اسے لاخ سے سیل کر دیا جائے۔

”ہاں..... یہ بات غور طلب ہے۔“

”مگر جناب..... یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی میں اس چکر میں پھنس ہی گئی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے میرے اندیشے غلط ہوں۔ بُرا ہوا اس اقتصادی بد حالی کا کہ میں سارے اندیشوں کو ٹھکراتی ہوئی اس راہ پر چل نکلی۔ جب ان صاحب نے یہ کہا کہ میں کرئل کیا نام..... میں بھول گئی۔ لیکن یہ یاد ہے اٹلی جنس بیوریو۔ جب ان صاحب نے اٹلی جنس بیوریو کا حوالہ دیا تو مجھے خیال آیا کہ میرے اندیشے غلط نہیں تھے۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مگر آپ یقین کیجئے مجھے اب بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ مجھ سے کیا کام لیا جانے والا تھا۔“

”وہ خط کہاں ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ٹھہر بیٹے..... دیتی ہوں۔“ لڑکی نے کہا اور اپنا پہلو ٹٹولنے لگی پھر کھڑی ہو گئی۔ ساتھ ہی اُس کے چہرے پر ہوائیاں بھی اڑنے لگیں اور وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

”میرا پرس..... اوہ..... شاید..... وہ ٹیکسی ہی میں رہ گیا۔“

حمید اُسے گھورنے لگا لیکن اسے لڑکی کے چہرے پر مکاری کی جھلکیاں نہیں دکھائی دیں۔ وہ بڑی معصوم لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

”وہ خط میرے پاس پرس میں تھا جناب۔“

”تم کہاں رہتی ہو۔“

”شرما اسٹریٹ میں۔“

”اور مس درما کہاں رہتی ہے۔“

”کالج ہوٹل میں۔ وہ وہاں کی وارڈن بھی ہے۔ خدا کے لئے مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے۔“

جناب۔ اب میں کس طرح اپنی بے گناہی ثابت کروں۔ وہ خط بھی میرے قبضے میں نہیں رہا۔“

”پرواہ مت کرو۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

”میرا کیا بنے گا۔“

”کچھ بھی نہیں چلو..... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔ لیکن تم دو تین دنوں تک؟

سے باہر نہیں نکلو گی اور نہ اس واقعے کا تذکرہ کسی سے کرو گی۔“

”ہرگز نہیں جناب۔ جیسا آپ کہیں گے اس پر عمل کروں گی۔“

”تمہارا نام کیا ہے۔“

”مارا نائیڈو.....“

”کس ایئر میں پڑھتی ہو۔“

”تھرڈ ایئر میں۔“

پھر حمید اُسے ساتھ لے کر برآمدے میں آیا۔ فریدی اور ریکھا یہاں موجود تھیں۔ حمید نے فریدی کو لڑکی کے بیان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں انہیں ان کے گھر پہنچانے جا رہا ہوں۔“

”نہیں آپ تکلیف نہ فرمائیے۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا پھر لڑکی سے پوچھا۔ ”کیا تمہیں مس درما نے اس آدمی کے پہنچنے کا وقت نہیں بتایا تھا۔“

”بتایا تھا جناب..... انہوں نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے ملے گا۔ مگر میں پندرہ منٹ بعد پہنچی۔“

”تب پھر تم بارہ بجے تک اس کا انتظار کیوں کرتی رہیں۔ کیا تم یہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ وہ دس منٹ تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد واپس چلا گیا ہو گا۔“

”شائد میں پاگل ہو گئی تھی جناب۔ میں اتنا نہیں سوچ سکتی تھی۔“

”تم جھوٹ بول رہی ہو لڑکی۔“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید کو اس پر غصہ آنے لگا۔ دفعتاً لڑکی کے حلق سے ایک بھیانک..... چیخ نکلی اور وہ دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اندھا دھند پھانک کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ یقیناً کوئی بے آواز را نقل تھی جو پھانک کے باہر سے چلائی گئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔

حمید نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی گل کردی اور پھر وہ پھانک کی طرف دوڑنے لگا۔ پھانک کھلا ہوا تھا اور باہر سڑک پر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ تقریباً دو تین منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا پھر اُسے اپنے حماقت کا احساس ہوا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی زندہ ہے یا مر گئی۔ اس نے مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ وہاں اب بھی تاریکی تھی۔

وہ پھر دوڑتا ہوا برآمدے میں آیا۔

”کون ہے؟“ اس نے ریکھا کی آواز سنی۔

”میں ہوں۔“ حمید کہتا ہوا سوچ بورڈ کی طرف بڑھا اور دوسرے ہی لمحے میں برآمدہ پھر

روشن ہو گیا۔ ریکھا لڑکی کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی تھی۔ پہلی ہی نظر میں حمید نے اندازہ کر لیا کہ لڑکی مر چکی ہے۔ فرش پر دور تک خون پھیلا ہوا تھا۔  
ریکھا کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی لاش کو گھور رہی تھی۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”تم اندر جاؤ۔“

”کیوں؟“ ریکھا ایک بیک چونک پڑی۔

”کچھ نہیں پوچھی۔ تم اس وقت یہ دوسری لاش دیکھ رہی ہو۔“

”میں کوئی گھریلو عورت نہیں ہوں۔ اس جگہ سے میرا تعلق ہے جہاں ہر وقت ہی ایک آدھ لاش سے سابقہ پڑتا ہے۔“

”میرا مطلب ہے تیسری لاش کے لئے کو توالی فون کر دو۔“

ریکھا خاموشی سے اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں داخل ہوا اور ریکھا بجز فون کر کے واپس آگئی۔ فریدی کی آنکھیں گہرے ٹھکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

”ریکھا نے کو توالی فون کر دیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”حالات بہت زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ ریکھا ذرا تم اس لاش کی تلاشی لو۔ شاید کچھ ہاتھ آسکے۔“

لیکن تلاشی سے کچھ بھی نہ حاصل ہو سکا۔ اس کے پاس سے کوئی بھی ایسی چیز برآمد نہ ہو جس سے کچھ اس کی یا اس کے قاتلوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

”کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حرکت اسی سفارت خانہ والوں کی ہے۔“ فریدی نے ریکھا سے کہا۔  
”ان کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔“ ریکھا نے جواب دیا۔ ”اپنی غلطی کا احساس ہو جا۔ کے بعد انہیں اصل عورت کی فکر ہوئی ہوگی۔ مگر کیا وہ لوگ بھی اس عورت کو نہیں پہچانتے۔ جس سے انہیں کوئی پیغام ملنے والا تھا۔“

”یہی ہو سکتا ہے۔“ فریدی بڑبڑایا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”تم نیشنل گرلز کالج کے ہوٹل؟ کسی مس دور ما کو اسی وقت تلاش کر دو۔ ویسے مجھے توقع نہیں ہے۔“

”پھر کیوں خواہ مخواہ مجھے دوڑا رہے ہیں۔“

”احتیاطاً.....!“

## وہ کون تھی

نیشنل کالج تک پہنچنے میں تو حمید کو کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن رات کو دوبہجے ہوٹل کی وارڈن تک پہنچنا یقیناً بڑا مشکل کام تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ اس سے بالمشافہ گفتگو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وارڈن ادھیڑ عمر کی عورت تھی اُسے اتنی رات جگایا جانا بہت گراں گزرا تھا۔ اگر حمید کا تعلق محکمہ سرانغ رسانی سے نہ ہوتا تو شاید اس نے اسے کالج کے کپاؤنڈ سے باہر پھینک دیا ہوتا۔ لیکن وہ مس دور ما نہیں تھی۔ اس نے بتایا کہ کالج میں اس نام کی کوئی لیکچرار کبھی نہیں رہی۔

حمید بے نعل و مرام واپس ہوا۔ گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے تین بج گئے۔ یہاں اب سناٹا تھا۔ حمید نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر فریدی موجود ہوتا تو یقینی طور پر آنے والی صبح کا سورج حمید کی کھوپڑی ہی سے طلوع ہوتا۔ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں مزید وقت برباد کئے بغیر اُسے سوٹ اور جوتوں سمیت لحاف میں جا گھسا پڑا۔

یہ اور بات ہے کہ اُسے آٹھ بجے سے پہلے ہی اٹھا دیا گیا ہو۔ فریدی اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

”ہاں... ہاں... سب ٹھیک ہے۔“ حمید نے آنکھیں کھولے بغیر بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی۔  
فریدی نے اُس کی گردن دبوچی اور اٹھا کر فرش پر کھڑا کر دیا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ حمید حلق پھاڑ کر دہڑا۔ ”اگر آپ کو آرام سے نفرت ہے.... تو....!“  
”شٹ اپ....!“

”نہیں خاموش رہوں گا۔ میں صرف سرانغ رسانی کے لئے نہیں پیدا ہوا۔“  
”تم پیدا ہی کب ہوئے تھے۔“ فریدی نے اسامہ بنا کر بولا۔ ”پیدا ہونے والے زندہ رہتے ہیں اور زندگی سردیوں میں لحاف کا نہیں بلکہ ٹھنڈے پانی کا نام ہے۔ تمہیں اس وقت ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔“

”مت بور کیجئے، ورنہ میں دیوار سے سر ٹکرائوں گا۔“

”یہی کر کے دکھاؤ۔ کچھ تو کرو.... مگر ٹھنڈے پانی سے غسل....!“

”ہاں.... آں....“ فریدی بیٹھ کر کافی اٹھیلنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ خاموشی سے ناشتہ ختم کر لے۔ کچھ دیر بعد فریدی ناشتہ ختم کر کے سگار سلگانے لگا۔ حمید سر جھکائے کافی پیتا رہا۔ ”وہ شرما اسٹریٹ میں نہیں رہتی تھی اور یہ بھی غلط ہے کسی نے اُسے دھوکا دیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ تو اسی وقت ثابت ہو گیا تھا جب گر لڑکا لالچ میں کوئی مس درما نہیں ملی تھی۔“ ”کیا خیال ہے۔ اگر اُسے گولی نہ ماری جاتی تو۔“ ”ظاہر ہے کہ وہ بعد میں بھی ہماری گرفت میں آسکتی تھی۔ میں نے تو اسکے بیان پر یقین کر لیا تھا میں اس کو اسکے بتائے ہوئے پتہ پر چھوڑ بھی آتا لیکن مس درما کی اصلیت ظاہر ہوتے ہی....!“ ”ختم کرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اسکے بعد تمہارے فرشتے بھی اس تک نہ پہنچ سکتے۔“ ”ہو سکتا ہے۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن اس کے متعلق آپ نے اور کیا معلوم کیا۔“ ”اس کی بڑی بہن راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اُس سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ تم ناشتہ کتنی دیر میں ختم کر دو گے۔“ کچھ دیر بعد وہ راجرس اسٹریٹ کی طرف جا رہے تھے۔

”میں اس آدمی کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”جو مجھے پچھلی شام آر لکچو میں ملا تھا۔ کاش میں اُسے بچا سکتا۔“

”تم اُسے کسی طرح نہ بچا سکتے۔ وہ یقیناً ان لوگوں کے کسی راز سے واقف تھا۔“ ”مگر وہ اسے ننگا کیوں کر گئے تھے۔ یقیناً یہ ایک ایسا کام تھا جس میں ذرا سی لغزش بھی ان کے لئے پھانسی کا پھندہ بن سکتی تھی۔ انہوں نے محض اس کے کپڑے اتارنے کے لئے دھوکے کا بم پھینکا تھا۔ آخر کیوں! کپڑے اتارنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”کپڑے....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”نہیں میرا خیال ہے کہ کپڑوں سے زیادہ اس تیر کی اہمیت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے تیر پولیس تک پہنچ سکیں۔ سفارت خانے کی عمارت میں بھی یہی ہوا تھا۔ تیر نہیں مل سکا۔ حالانکہ ریکھانے خود اسے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔“ ”کپڑے اس کے بھی اتار لئے گئے تھے۔“ حمید نے اس طرح کہا جیسے تیروں پر کپڑوں کو اہمیت دینا چاہتا ہو۔

”میں یہ نہیں کہتا کہ کپڑوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ہو سکتا ہے مگر نہیں

”کیوں....!“

”تم جو تون اور کپڑوں سمیت سو گئے تھے۔“

”تو کیا ان جو تون اور کپڑوں نے مجھ پر پیشاب کر دیا ہے۔ کیوں غسل کروں ٹھنڈے پانی سے۔“ ”کامیابی کی سزا....!“

حمید نے سوچا دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ ورنہ وہ اُسے کپڑوں سمیت ٹھنڈے پانی کے ٹب میں پھینک آئے گا۔ ایک بار پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا۔ سردیوں کا زمانہ تھا اور حمید اُسی طرح کپڑوں سمیت سو گیا تھا۔ دوسری صبح فریدی نے اُسے ٹھنڈے پانی کے ٹب میں غوطے دیئے تھے۔ فریدی کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اسے کسی معاملے میں بھی بے قاعدگی پسند نہیں تھی۔ حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال فریدی کا دھیان دوسری طرف بنادیا جائے۔ ”اوہو.... میں تو بھول ہی گیا تھا۔“ اس نے جلدی سے کہا۔ ”نیشنل گر لڑکا لالچ میں مس درما نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔ پہلے بھی کبھی نہیں رہی۔“

”بہت خوب۔“ فریدی مسکرایا۔ ”اتر آئے سراغ رسائی پر۔ ابھی تو کہہ رہے تھے۔“ ”میں غلط کہہ رہا تھا۔“ حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں نیند میں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں صرف سراغ رسائی کے لئے پیدا ہوا تھا۔“

”تمہیں بہر حال ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا۔

”گولی مار دیجئے نا مجھے۔“ حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

دفعاً فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بجی اور اس طرح حمید ٹھنڈے پانی سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسے سردیوں میں ٹھنڈے پانی کے نام ہی سے چکر آنے لگتے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے دانت صاف کئے اور کچن میں جا گھسا۔ وہ صبح کی پہلی چائے بھی دانت صاف کئے بغیر نہیں پیتا تھا۔

جب وہ ضروریات سے فارغ ہو چکا تھا تو ایک بار پھر فریدی سے ٹڈ بھڑ ہو گئی۔

”اس لڑکی کا سراغ مل گیا۔“ فریدی نے کہا۔

”کس لڑکی کا.... میری لسٹ پر ہر وقت کم از کم دو درجن لڑکیاں رہی ہیں۔“

فریدی جھنجھلا کر کوئی سخت بات کہنے ہی والا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی اور حمید سر سہلا تا ہوا ناشتے کی میز کی طرف چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی خواب گاہ سے واپس آیا۔ ”میرا خیال ہے آپ مقتولہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔“

سوفیہ کی یہی بات ہے۔ دونوں ہی لاشیں اس حال کو پہنچ گئی تھیں کہ ان کی شناخت ناممکن تھی لہذا کپڑے اتار لینے کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ کپڑوں ہی کے ذریعہ لاشوں کی شناخت کا امکان باقی نہ رہے۔ اور حمید صاحب.... میں ایک ایسے زہر کے وجود سے بھی واقف ہوں جس سے شکار کی لاش پر درم آجاتا ہے، یعنی جسم کے وہ حصے متورم ہو جاتے، جو کھلے رہ جائیں۔ اگر لاش نگلی ہو تو پورے جسم پر بھی اس حد تک درم آسکتا ہے جتنے پھیلاؤ کی صلاحیت گوشت میں موجود ہو۔

”یہ کیا زہر ہے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”اس قسم کے کسی زہر کے متعلق میں نے آج تک نہیں سنا۔“

”تم نے سنا ہی کیا ہے۔ میکسیکو کی بعض خشک پہاڑیوں میں ایک کانٹوں دار پودا اگتا ہے۔ اس کا ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصے میں چھ جاوے تو آدمی ایک منٹ کے اندر ہی اندر ختم ہو سکتا ہے اور جسم کے کھلے ہوئے حصے متورم ہو جائیں گے۔ میکسیکو کے قدیم باشندے اس پودے کے اپنے ایک قاہر دیوتا کی ڈاڑھی کہتے ہیں۔“

”کانٹے میں زہر۔“ حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

”زہر تو دراصل اس پورے پودے ہی میں ہوتا ہے۔ سفید رنگ کا سفوف سا جو پودے کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے۔ حقیقتاً وہ پودے کے مسامات سے خارج ہونے والی ایک طرح کی رطوبت ہوتی ہے جو خشک ہونے کے بعد سفید رنگ کے سفوف کی شکل اختیار کر لیتی ہے اگر تمہارے جسم کے کسی زخم پر اس سفوف کے ذرات پڑ جائیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہو گا جو کانٹا لگنے کا ہو سکتا ہے۔ موت اس سفوف ہی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ جو کانٹوں کے ساتھ جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ فریدی کے معاملے میں اس ذہنی اسٹیج سے بھی گذر چکا تھا۔ جہاں اس کی معلومات پر عیش عیش کر سکتا۔

راجرس اسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے کار ایک عمارت کے سامنے روک دی۔

”اس عمارت کے اٹھارویں فلیٹ میں وہ رہتی ہے۔ مقتولہ کی بہن“ فریدی نے داہنی جانب کی ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

”مگر آپ کو اتنی جلد اس کا علم کیسے ہو گیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”محض اتفاق۔“ فریدی نے کہا۔ ”بچھلی رات لاش کے فوٹو لئے گئے تھے۔ خیال تھا کہ آج ایک فوٹو شام کے اخبارات میں دیا جائے گا۔ مگر فکر پرنٹ سیکشن کے ایک آدمی نے لاش شناخت کر لی۔ اسی سے اس کی قیام گاہ کا پتہ بھی معلوم ہوا۔ وہ اس کی بڑی بہن کو جانتا ہے۔“

وہ دونوں کار سے اتر کر اُس عمارت کے قریب پہنچے۔ اٹھارواں فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔ تین چار بار دستک دینے کے بعد فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا لیکن شائد وہ اندر سے مقفل تھا۔ پھر اس کے اشارے پر حمید نے برابر والے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے جلدی ہی دروازہ کھولا۔ وہ ایک ادھیڑ عورت تھی۔

”فرمائیے....!“ اس نے حیرت سے کہا۔

”کیا یہاں مسز گپتا رہتی ہیں۔“

”جی نہیں باجو والا فلیٹ ہے۔“ عورت نے اُسی فلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر وہ کئی بار دستک دے چکے تھے۔

”تب تو ہم نے غلطی نہیں کی تھی۔“ فریدی بڑبڑایا۔ پھر اس عورت سے بولا۔ ”مگر اندر سے جواب نہیں ملتا۔ کیا مسز گپتا دیر تک سونے کی عادی ہیں۔“

”پتہ نہیں۔“ عورت بولی۔ ”مسز گپتا تو ہسپتال میں ہیں۔ اندر ان کی نوکرانی ہوگی جو اونچا سنتی ہے۔“

”ہسپتال میں کیوں.... پتہ نہیں.... کیوں.... کیا....!“ فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

”آپ مسز گپتا سے کب سے نہیں ملے۔“ عورت نے پوچھا۔

”ارے ابھی پچھلے ہی ہفتے ملاقات ہوئی تھی۔“

”اچھا ایک بات بتائیے! کیا آپ نے بچھلی ملاقات پر یہ محسوس کیا تھا کہ یہ عورت عنقریب پاگل ہو جائے گی۔“

”نہیں تو۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”کیوں کیا بات ہے؟“

”آج صبح چار بجے اسکے چند عزیز اُسے یہاں سے لے گئے وہ جانوروں کی طرح چیخ رہی تھیں۔“

”ممکن ہے اور کوئی تکلیف رہی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”جی نہیں.... ان کے کزن نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اکثر ان پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔“

”وہ کب سے آپ کی پڑوسی ہیں۔“

”میرا خیال ہے پچھلے تین برسوں سے۔“



”کیا اس سے پہلے بھی کبھی ان پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا۔“

”میرے علم میں تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے پڑا ہو۔“

”ملازمہ سے کس طرح گفتگو کی جائے۔ ویسے آپ کو تو معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس ہسپتال میں لے جانی گئی ہیں۔“

”جی نہیں.... مجھے نہیں معلوم۔“

”آہ.... ان کی ایک بہن بھی تو ہیں مس شیلہ۔ کیا وہ بھی موجود نہ ہوں گی۔“

”ارے.... وہ....!“ عورت نے اسامہ بنا کر رہ گئی۔

”کیوں.... انہیں کیا ہوا....؟“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”ایک آوارہ عورت کی بدولت ان دونوں بہنوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ مسز گپتا کا کہنا تھا کہ شیلہ اس عورت سے قطع تعلق کر لے لیکن شیلہ اس پر کسی طرح تیار نہ ہوئی اور دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ شیلہ اب اسی عورت کے ساتھ رہتی ہے۔“

”آف.... فوہ.... غالباً اسی حادثے نے مسز گپتا کا دماغ الٹ دیا ہے۔“ فریدی تشویش کن

لجے میں بولا۔

”ہو سکتا ہے.... مسز گپتا بہت شریف عورت ہیں۔“

”پھر کیا.... کیا جائے۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ ”میرے خیال سے یہی بہتر

ہوگا کہ مس شیلہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔“

”قطعاً.... یہ بہت ضروری ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے عورت سے کہا۔ ”یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ عورت کہاں رہتی ہے۔“

”میں آپ کو بتا سکوں گی۔ میں نے اپنے طور پر پتہ لگایا تھا کہ وہ واقعی بہت خراب عورت ہے۔ صورت سے کوئی نہیں اندازہ لگا سکتا کہ وہ اتنی بد چلن عورت ہوگی۔“

”وہ کہاں رہتی ہے۔“

”شرما سٹریٹ میں۔ اس کا نام تارا ناٹھو ہے۔“

حمید یک بیک چوٹ پڑا کیونکہ پچھلی رات مقتولہ نے نہ صرف اپنا نام بھی بتایا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ شرما سٹریٹ میں رہتی ہے۔

”شرما سٹریٹ....!“ فریدی عورت کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”شرما سٹریٹ میں تو

درجنوں عمارتیں ہیں اُسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔“

”وہ دیکھئے.... وہاں کینے شبتان ہے۔ ٹھیک اسی کے سامنے والی عمارت کے کسی فلیٹ میں رہتی ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... بہت بہت شکریہ۔ اتنا کافی ہے۔ اب ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں جناب۔“

فریدی اور حمید نیچے آئے۔ حمید نے اس سے کہا۔ ”اس کی ملازمہ سے گفتگو کئے بغیر ہم واپس آگئے۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔ وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر تارا ناٹھو اور شرما سٹریٹ کے نام سن کر تمہارے پیٹ میں چوہے ضرور کودنے لگے ہوں گے۔“

## دھمکی

فریدی کی لنگن پھر شہر کی بھری پڑی سڑکوں پر نکل آئی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب فریدی فکر مند نہیں ہے.... وہ اس تبدیلی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔

”کیا.... وہ عورت سچ جھج پامل ہو گئی ہوگی۔“ حمید نے پوچھا۔

”قطعاً نہیں.... میرا خیال ہے۔ انہوں نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ جو لوگ کسی

کو میری چھت کے نیچے قتل کر سکتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ مشکل کام نہیں ہو سکتا۔“

”اب دیکھنا ہے کہ اس عورت تارا ناٹھو پر کیا افتاد پڑتی ہے۔“

”جو کچھ بھی ہوتا ہے اب تک ہو چکا ہوگا۔ یا پھر وہ بالکل محفوظ ہوگی۔“

”کیوں.... یہ دو متضاد باتیں کیوں۔“

”وہ اُن لوگوں کے لئے خطرناک ہوگی یا انہیں میں سے ہوگی یا پھر بالکل ہی بے تعلق ہوگی۔“

”ممکن ہے اس کا اس سلسلے میں کوئی تعلق ہی نہ ہو۔“

”کچھ ہو یا نہ ہو۔ خدا کرے جو ان ہو حسین ہو۔“ حمید بڑبڑا کر پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

کار شرما سٹریٹ میں داخل ہو کر دوسری سڑک پر نکل آئی۔

”کیوں آپ کہاں جا رہے ہیں۔“

”میں اس وقت صرف سڑک پیائی کرنا چاہتا ہوں۔“

”اور وہ تارا ٹائیڈ۔“

”فکر نہ کرو۔ مجھے سب سے زیادہ اس عورت کی فکر ہے جو پاگل ہو گئی ہے۔“

”کیوں؟“

”اسلئے کہ وہ یقیناً بوڑھی ہوگی اور دنیا کا کوئی جمید اس کیلئے درز سر مول لینے کو تیار نہ ہوگا۔“

”اُسے لے جانے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے کسی راز سے واقف تھی

پھر ایسی صورت میں انہوں نے اُسے زندہ ہی کیوں رکھا ہوگا۔“

”کبھی کبھی دوسرے ہماری طرح نہیں سوچتے۔“

”مگر آپ اُسے تلاش کہاں کریں گے۔“

”تلاش....!“ فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر

آئیں تھیں اور آنکھوں میں ذہنی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ جمید نے کھڑکی کے باہر سر نکال کر چائیز کارنر کا بورڈ

پڑھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ فریدی یہاں سے کس طرح معلومات حاصل کر سکے گا۔ زیادہ

سے زیادہ یہاں فنج کے متعلق یہ معلوم کر سکتا تھا کہ وہ روزانہ کا گاہک ہے یا کبھی کبھی آتا ہے۔ ظاہر

ہے کہ فنج جیسے لوگ دوسروں کو اپنے بارے میں لاعلم ہی رکھتے ہیں۔

بہر حال وہ بھی فریدی کے ساتھ کار سے اتر گیا۔ وہ کارنر سے داخل ہوئے اس وقت یہاں

اکاد کا آدمی نظر آرہے تھے۔ فریدی نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف اچھتی سی نظر

ڈالی۔ پھر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف مڑا جو شائد ان کے آرڈر کا منتظر تھا۔

”مسٹر فنج نہیں آئے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”کون مسٹر فنج.... جناب.... میں نہیں جانتا۔“

”وہ.... ننھے سے آدمی۔“ فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔

”اوہ.... نہیں جناب۔ وہ عموماً رات ہی کو آتے ہیں۔“ وہ آدمی بھی خیز انداز میں

مسکرایا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”مسٹر فنج کے علاوہ بھی یہاں کچھ اور آدمی ہیں اور ان کے پاس ایسے

ایسے مال ہیں کہ مسٹر فنج نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔“

”اچھا....!“ فریدی کاؤنٹر پر کہیاں ٹکا کر اس کی طرف جھٹکا ہوا رازدارانہ لہجے میں بولا۔

”فنج کی لڑکیاں تو گلاب لگاتی ہیں۔“

اس کے جواب میں اس نے ایک ایسی گندی بات کہی جو محکمہ خیز نہ ہوتی تو جمید نے اس کے گال پر تھپڑ ہی رسید کر دیا ہوتا۔

پھر اُس نے کہا۔ ”وہ ہمیشہ ایک رات میں ایک ہی لڑکی سلائی کرتا ہے لیکن پچھلی رات یہاں

دو تھیں ایک کو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اور دوسری آپ کے ساتھ گئی تھی۔“

”اوہ....!“ فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔ ”تو تمہیں یاد ہے۔ ویسے کیا روزانہ اس کی

لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔“

”جی نہیں.... کبھی کبھی۔ ویسے وہ خود روزانہ یہاں آتا ہے۔“

”مسٹر فوجی سے دوستی ہوگی۔“

”مسٹر فوجی.... جی ہاں.... یہی سمجھ لیجئے۔“

”مسٹر فوجی سے اس وقت کہاں ملاقات ہو سکے گی۔“

”یہ بتانا مشکل ہے۔ مسٹر فوجی کے پیروں میں چکر ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکنا جانتے ہی

نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوپری منزل پر اپنے کمرے میں ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہر کے

دوسرے سرے کے کسی شراب خانے میں۔“

”بوارنگلین آدمی ہے یہ فوجی بھی۔“ فریدی جمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اس کے پاس بھی

بڑی عمدہ لڑکیاں ہیں۔“

”آپ کس سے کم ہیں جناب۔“ جمید مسکرا کر بولا۔

”اوہ.... ہاں.... اچھا چلو! ہم مسٹر فوجی کو دیکھتے ہیں۔“ فریدی نے کہا پھر اس آدمی سے

پوچھا۔ ”کس نمبر کا کمرہ ہے۔“

”گیارہ نمبر جناب۔“

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ جمید نے بھی قدم بڑھائے۔

گیارہویں کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جمید کو اندر ایک فریہ اندام اور دراز قد چینی نظر آیا۔

چینیوں میں اتنا نکلتا قد شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے جتنا کہ اس کا تھا۔ فریدی کو دروازے کے سانسے

رکتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

فریدی اجازت طلب کئے بغیر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ جمید نے بھی اس کی تھلید کی۔

لیکن چینی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

”آپ کون ہیں؟“ وہ انگریزی میں غرایا۔

”تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔“ فریدی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”میں نہیں پہچانتا۔“

فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھادیا۔ اس نے کارڈ لے کر اس پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

”کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔“ وہ پھر اسی انداز میں غریبا۔ ”آپ اس طرح بغیر اجازت دراندہ میرے کمرے میں گھستے چلے آ رہے ہیں۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے۔“

”مجھے فنج کاپتہ چاہئے۔“

”میں کسی فنج کو نہیں جانتا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے پریشان نہیں کر سکتے۔“

”تم جانتے ہو اس لئے لازمی طور پر پریشان کئے جاؤ گے۔“

”بڑی مصیبت ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔ ”اگر میں کوئی غیر قانونی کام کرتا ہوتا تو رشوت بھی

دے سکتا تھا۔“

”اوہو.... تو میں تم سے رشوت وصول کرنے آیا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں وصول کروں اس سے رشوت۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں اردو میں پوچھا۔

”ٹھہرو....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا پھر فوبی سے بولا۔ ”میں اس کمرے کی تلاشی لینا

چاہتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں.... تلاشی کا وارنٹ ہے آپ کے پاس۔“

”میں خود ہی وارنٹ ہوں۔“

”تب آپ نہیں لے سکتے تلاشی۔“

”ہم تمہیں پھانسی بھی دے سکتے ہیں۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”کوشش کر کے دیکھئے۔“ فوبی نے لاپرواہی سے کہا۔

”حمید تمہیں یہاں سے کوکین برآمد کرنی ہے۔“ فریدی سرد لہجے میں بولا۔

حمید الماریوں کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی فوبی نے بھی آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن دوسرے ہی

لحے میں فریدی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا۔

حمید نے بڑی تیزی سے کمرے کی چیزیں الٹی پلٹی شروع کر دیں۔

”تم حد سے بڑھ رہے ہو کرئل فریدی۔ میں کوئی گندرا آدمی نہیں ہوں۔“ فوبی غریبا۔

”نہیں تم بہت معزز آدمی ہو۔ میں تمہیں جوتے سے نہیں ماروں گا۔ مطمئن رہو۔“ فریدی

نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

پندرہ منٹ تک حمید نے سر مارا لیکن کوکین نہ برآمد کر سکا۔ آخر تھک ہار کر اس نے فریدی سے کہا۔ ”کوئی دوسرا چارج لگائیے۔“

”تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر فوبی کے لگا دو۔“

”مذاق ہے۔ یونہی لگا دو گے ہتھکڑیاں۔ تمہارا راج ہے۔“ فوبی پاگلوں کی طرح چیخا۔

”ہاں اس شہر پر میرا راج ہے۔ حمید جلدی کرو۔“

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور فوبی کی طرف بڑھا۔

”اچھی بات ہے تم لگاؤ ہتھکڑیاں لیکن اسے لکھ لو کہ یہ تم دونوں کے وقار کا آخری دن ہے۔“

”ہمارا وقار ہر وقت خطرے میں رہتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔“ فریدی بولا۔

حمید فوبی کے ہتھکڑیاں لگا چکا تھا۔

چند لمحے فریدی اور فوبی ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اب بھی

غنیمت ہے کہ فنج کاپتہ بتا دو ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اگر میں نے کوکین برآمد کر لی تو

پھر کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔“

”میں کسی فنج کو نہیں جانتا۔ جو دل چاہے کرو۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر سامنے دالی دیوار کے قریب پہنچ کر

رک گیا۔ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک فریم والی تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً فوبی کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکلی جسے نہ کھانسی کہا جاسکتا تھا اور نہ ہی کہا جاسکتا

تھا کہ اس نے کھار کر اپنا گلا صاف کیا ہے اور پھر حمید نے اس کے چہرے پر ہوا یاں اڑتی دیکھیں۔

فریدی بڑی میز کو گھسیٹ کر دیوار سے لگا رہا تھا۔ اس نے میز پر ایک کرسی رکھی اور پھر میز

پر چڑھ ہی رہا تھا کہ فوبی بڑبڑایا۔ ”ٹھہرو۔ میں بتا دوں گا۔“

”اب تیرا مکان سے نکل چکا ہے۔“ فریدی نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا۔

کرسی پر کھڑے ہو کر اس نے فریم کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ پھر حمید نے دوسرے ہی لمحے

میں اس فریم کو کسی الماری کے ڈھکن کی طرح کھلتے دیکھا۔ ایک تاریک سی خلاء نمایاں ہو گئی۔

”بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔ میں بتا دوں گا۔“ فوبی نے پھر کہا۔

”بات بڑھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تم کچھ بتاؤ۔“

”میں اس کے عوض منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں۔“ فوبی کی آواز کسی دائم المریض کی طرح

سر داور بے جان ہو گئی تھی۔

”تم واقعی ایک معزز آدمی ہو۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔“

”اگر تم نے اس فریم پر میری نظر پڑنے سے پہلے درخواست کی ہوتی تو میں تمہیں معاف

کردیتا۔“

”میں فنج کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔“

”اور اس کے بعد فنج کو بھی مطلع کر سکتے ہو کہ تم نے مجھے اس کا پتہ دیا ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ لڑکیوں کے بیوپار سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ بس وہ میرا دوست ہے۔ میں

جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مصیبت میں پڑے گا۔“

”جھٹکریاں نکال دو۔“ فریدی نے فوجی کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے حمید سے کہا۔

فوراً ہی تعمیل کی گئی۔ فریدی ریوالبورجیب میں ڈال چکا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

فوجی کرسی میں ڈھیر ہو کر ہانپنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔ جیسے

غیر متوقع طور پر موت کے منہ سے نکل آیا ہو۔

”فنج لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

فوجی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے تھا۔ شاید اس طرز

وہ اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”منہ سے بولو۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”وہ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے خود کو پیئٹ دواؤں کا دلال ظاہر کرتا ہے لیکن حقیقتاً وہ لڑکیوں

کا دلال ہے۔“

”تمہیں اس کا پتہ معلوم ہے۔“

”معلوم ہے جناب۔ وہ اپنا پتہ کسی کو بھی نہیں بتاتا لیکن میں نے ایک بار معلوم کر لیا تھا۔“

”اس نے خود تمہیں نہیں بتایا۔“

”جی نہیں لیکن وہ میرے گہرے دوستوں میں سے ہے۔“

”خیر اس کا پتہ بتاؤ۔“

”تھرٹین پیراماؤنٹ لین۔“

فریدی نے حمید کو پتہ نوٹ کرنے کا اشارہ کر کے فوجی سے کہا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ

لڑکیوں کی تجارت کرتا ہے۔“

”جی ہاں..... مجھے یقین ہے لیکن اس کا طریقہ عجیب ہے۔ اسی بناء پر مجھے سوچنا پڑا ہے کہ

میں اس تجارت کی پشت پر کوئی اور ہے۔ فنج کی حیثیت ایک ایجنٹ سے زیادہ نہیں ہے۔“

”کیوں؟ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔“

”کیونکہ وہ لڑکیاں اس کے لئے اجنبی ہوتی ہیں اگر وہ اپنے کارلوں میں سرخ گلاب نہ لگائیں

تو شاید فنج انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ ہر بار ایک نیا چہرہ نظر آتا ہے۔ میں نے کسی بھی لڑکی کو

دوسری بار نہیں دیکھا۔ فنج انہیں یہاں سے کہیں لے جاتا ہے۔ مگر پچھلی رات مجھے اطلاع ملی تھی

کہ کل دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے آئی تھیں۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔“

”تو گویا روزانہ نئی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں جناب کبھی کبھی۔ نہ فنج یہاں روزانہ آتا ہے اور نہ لڑکیاں۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔“

”میں اپنا اتنا بڑا کاروبار چھوڑ کر اس شہر سے بھاگ نہیں سکتا۔“

”سمجھدار آدمی ہو۔“ فریدی مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

باہر آکر حمید بولا۔ ”اس فریم کے پیچھے کیا تھا۔“

”وہ فریم نہیں بلکہ الماری کا دروازہ تھا۔ ایسے تصویری فریم کون لگاتا ہے جو دیوار سے چپکے

رہیں۔ چلو بیٹھو.....!“

وہ کار میں بیٹھ گئے۔

## وہ عورت

حمید بور ہو رہا تھا جیسے ہی کار حرکت میں آئی وہ آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔

پچھلی رات کی دولاٹیں اس کے ذہن پر بری طرح مسلط تھیں۔ وہ چھوٹے قد کی خوبصورت سی

گزنیا کتنی دلکش تھی جس کے سینے میں ایک بدنما سا سوراخ ہو گیا تھا وہ خوفزدہ تھی۔ ہو سکتا تھا شاید

اسے انہیں لوگوں کا خوف رہا ہو جنہوں نے اسے اتنی بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔ شاید وہ سرکاری

سراغ رسالوں سے پیچھا چھڑا کر اس شہر ہی سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے اپنا نام تارا نائیڈ بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ شرماسٹریٹ میں رہتی ہے۔ مقصد یہی رہا ہو گا کہ وہ اس طرح اس عورت کو پولیس کے چکر میں پھنسا دے گی جس کی وجہ سے اسے ان پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا تھا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ لوگ اس سے زیادہ ہوش مند تھے۔ حمید نے سوچا اب تارا نائیڈ کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بھی آسان نہ ہو گا۔

پھر وہ اس آدمی کے متعلق سوچنے لگا جو ایک پراسرار تیر کا شکار ہو کر اپنے خدو خال تک کھو بیٹھا تھا۔ حمید اس کے لئے بھی مغموم تھا کیونکہ اس نے اس سے اپنی زندگی کی حفاظت کی درخواست کی تھی۔ مگر حمید.... سمجھا تھا کہ وہ اسے کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنے شبہات پر نام ہونا پڑا۔ دوسری طرف فریدی سرخ گلابوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ بظاہر دونوں معاملے بالکل الگ الگ تھے لیکن پھر اسی زہریلے تیر کی کار فرمائی وہاں بھی نظر آئی۔ اور اب انہیں اس کا فیصلہ کرنا تھا کہ وہ دو معاملات حقیقتاً الگ تھے یا وہ ایک ہی اصلیت کے دو مختلف پہلو کہے جاسکتے تھے۔

”کیا اب فیچ تک پہنچنے کا ارادہ ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔

”اس کی توقع کم ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں۔ اُسے سفارت خانے کی طرف سے ہوشیار کر دیا گیا ہو گا۔“

”پھر بھی اگر ہم تھرٹین پیراماؤنٹ اسٹریٹ کو دیکھ ہی لیں تو کیا حرج ہے۔“

”اوہو.... ضرور.... مجھے علم ہے کہ آج کل پیراماؤنٹ اسٹریٹ کی ایک لڑکی سے تمہارا معاشرہ چل رہا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ایکٹنگ نے اسے تم سے قریب کر دیا تھا۔“

”نہیں... کیا؟“ حمید حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

”میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس نے تمہیں اپنا نام کہکشاں بتایا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ نسلی امتیاز و ملیت اور قومیت میں یقین نہیں رکھتی۔ وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کسی قسم کا تکلف جائز نہیں سمجھتی اور بتاؤں۔“

”تو آپ میری ٹوہ میں رہا کرتے ہیں۔“ حمید بڑاسمانہ بنا کر بولا۔

”اب میں اُن معلومات کو کیا کروں جو اپنے پیروں چل کر مجھ تک پہنچ جاتی ہیں۔“

”حمید کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔“ آپ کے طرز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا

کہکشاں نہیں ہے۔“

”میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔“

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا آخر فریدی کو اس کی اطلاع کیسے ہو گئی۔ خیر اس کے متعلق علم ہو جانا تاخیرت انگیز نہیں تھا۔ مگر اسے وہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں جو اُن دونوں کے درمیان ہوئی تھیں۔

کہکشاں اُسے ایک غیر معروف سے ریسٹوران میں ملی تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ اس کی اہقانہ انداز رکھنے والی حرکتوں نے اُسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

وہ اتوار کی شام تھی اور حمید اس طرح شہر میں چکراتا پھر رہا تھا جیسے کوئی خزاں رسیدہ پتہ خشک اور بے کیف ہواؤں کے بھٹکڑ میں جا پڑے۔ خزاں رسیدہ پتے کی تشبیہ اس لئے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حمید ان دنوں اپنے ہی الفاظ میں خود کو ”بخر“ محسوس کر رہا تھا اور وہ اسی صورت میں خود کو بخر محسوس کر رہا تھا جب شام کے بیکار لمحات گزارنے کے لئے کوئی نئی لڑکی نہیں ملتی تھی۔ پرانی شناسا لڑکیاں اسے ہمیشہ بور معلوم ہوتی تھیں۔ اگر وہ کبھی کہیں نظر بھی آتیں تو وہ کترا کر نکل جاتا ہی بہتر سمجھتا تھا۔

بہر حال اس شام حمید تنہا اور ادا اس تھا اور ادا سی میں پیدل ٹہلنا اس کی پرانی عادتوں میں سے تھا۔ جب وہ تھک گیا تو قریب کے ایک کینے میں جا گھسا۔ وہاں بمشکل دس منٹ گزارے ہوں گے کہ ایک لڑکی اندر آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ بس ایسی ہی تھی کہ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ حمید کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اس نے جلد ہی اپنی غیر معمولی حرکات و سکنات سے لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی تھی اور متواتر حمید کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے ایک پیکٹ سگریٹ لانے کو کہا اور پرس سے کچھ اس انداز میں ایک نوٹ نکالا کہ دو نوٹ اس کی مصنوعی بے خبری میں فرش پر گر پڑے۔ اس نے یہ حرکت اس طرح کی تھی کہ ویٹر کی نظر نہیں پڑ سکی ورنہ وہ خود ہی اسے باخبر کر دیتا۔ ویٹر چلا گیا اور حمید نے پرس جیب میں ڈال لیا۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے نوٹوں کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر حمید کو مخاطب کر کے بولی۔

”آپ کے نوٹ گر گئے ہیں جناب۔“

”جی....!“ حمید چونک پڑا۔ لڑکی نے فرش کی طرف اشارہ کیا اور حمید کچھ ایسے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے جھکا جیسے پیروں کے پاس سانپ بیٹھا ہو۔

لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی اور حمید کھڑا ہو کر احقانہ انداز میں بولا۔ ”یہاں کسی صاحب کے نوٹ گر گئے ہیں۔“

لڑکی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ یہاں اُن کے علاوہ صرف دو آدمی اور تھے وہ غیر ارادی طور پر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ مگر لڑکی نے کہا۔ ”یہ نوٹ آپ ہی کے ہیں۔“

”میرے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں تو۔“

”میں نے آپ کے پرس سے گرتے دیکھے تھے۔“

”کیا آپ مجھے گدھا سمجھتی ہیں۔ کیا میں بچہ ہوں کہ نوٹ گرا دوں گا۔“

لڑکی اپنی میز سے اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

حمید نے اب بھی نوٹ فرش سے نہیں اٹھائے تھے۔

”نوٹ اٹھا لیجئے۔“ لڑکی آہستہ سے بولی۔

”آپ خود نہ اٹھا لیجئے۔ میں کیوں خواہ مخواہ کسی مصیبت میں پڑوں۔“

لڑکی نے جھک کر نوٹ اٹھائے اور اپنے وینٹی بیگ سے ایک نوٹ بک نکالتی ہوئی بولی۔ ”یہ دس دس کے دو نوٹ ہیں۔ ہمارے کالج میں ایک ڈرامہ ہونے والا ہے۔ ان نوٹوں کے عیوض میں آپ کو اس کے دو ٹکٹ دے رہی ہوں۔“

”میں نے ایک بار کہہ دیا آپ سے کہ وہ میرے نوٹ نہیں ہیں۔“ حمید جھنجھلا گیا۔ ”آپ

کیوں خواہ مخواہ کسی دوسرے کا وبال میرے گلے لگا رہی ہیں۔“

”آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔“ لڑکی بڑے خلوص سے مسکرائی۔ ”وبال میرے ہی سر رہے! میں تو آپ کو ٹکٹ دے رہی ہوں۔ ڈرامہ کل نوبے رات کو ہو گا۔ اپنی بیگم صاحبہ سمیت تشریف لائیے۔ ایک ٹکٹ پر دو بچے فری۔ گویا آپ چار بچے اپنے ساتھ لاسکتے ہیں۔ اگر چار سے زائد ہوں تب بھی پرواہ نہ کیجئے۔ میں دس روپے والے کلاس کے گیٹ ہی پر آپ کو ملوں گی۔“

”آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔“

”کل ٹھیک نوبے.... ماڈرن کالج میں.... میں آپ کا انتظار کروں گی۔“

لڑکی اپنا وینٹی بیگ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

”دیکھئے آنا نہ بھولے گا۔“ اس نے چلتے چلتے ایک بار پھر کہا۔

پھر حمید دوسری رات ماڈرن گرلز کالج جا پہنچا۔ کہکشاں سے وہاں بھی ملاقات ہوئی اور دو تین گھنٹوں میں وہ اس سے بہت زیادہ گھل مل گئی اور پھر وہ تقریباً روز ہی شہر کی کسی نہ کسی تفریح

گاہ میں ملتے رہے۔ حمید کی دانست میں کہکشاں اسے کریک اور بدحوہ سمجھتی تھی۔ حمید نے خود کو اسی انداز میں پیش کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے وہ کام سے تو ہمیشہ ہی دور بھاگتا تھا۔

فریدی نے کار ایک جگہ روک دی اور حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے نیچے اتر گیا۔ سامنے ہی ایک پبلک کال بوتھ تھا۔ اس نے اس میں داخل ہو کر کچھ نمبروں پر فون کئے اور پھر کار میں واپس آ گیا۔

”تم گھبراؤ نہیں۔“ اس نے مشین اشارت کرتے ہوئے کہا۔ ”اب ہم پیراماؤنٹ اسٹریٹ ہی کی طرف جائیں گے۔“

”نہیں مجھے گھبرانے دیجئے۔ گھبرانے سے خون صاف ہوتا ہے۔ صفائی سے مطلب سفیدی نہیں ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار چل پڑی اور حمید بڑبڑاتا رہا۔ ”میرا دل چاہتا ہے کہ اب بچے جننا شروع کر دوں۔ اس طرح کچھ دن تو آرام کا موقع ملے گا۔ ویسے چھٹیاں بھی برباد ہی ہوتی ہیں۔ پچھلی بار چھٹی لی تھی تو ”طاقت“ کا کیس سر پر سوار ہو گیا تھا اور اب یہ۔“

”نہیں پچھلی بار روحی ملی تھی لیکن تقصیر اوقات کا موقع نہ مل سکا تھا اور اس بار کہکشاں کے ساتھ ہی ساتھ گلابوں اور تیروں کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔“

”میں کہتا ہوں آخر آپ خواہ مخواہ ہر معاملے میں کیوں کود پڑتے ہیں۔“

”سنو فرزند! یہ قصہ آج کا نہیں ہے۔ گلابوں کا معاملہ عرصہ سے درپیش ہے۔ جن معاملات، کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ ہاتھ لگائے بغیر کام نہیں چلے گا ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اور بعد میں تو سب کچھ ہی سر پر آ پڑتا ہے۔ بہر حال میں عرصہ سے ان گلابوں کی فکر میں تھا۔ مگر یہ تیر بالکل نئی چیز ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں ایک رات میں مختلف حالات میں اس سے دوچار ہوئے۔“

”آپ دوچار ہوں گے۔ میں تو چار آٹھ ہو گیا تھا۔ ویسے دل تو یہی چاہا تھا کہ نو دو گیارہ ہو جاؤں مگر اس خیال سے رک جانا پڑا کہ....!“

کار ایک جھنکے کے ساتھ رک گئی اور حمید کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے پچلا دیا۔ دایہ جانب والے موڑ سے اچانک ایک کار سامنے آ گئی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کی تھیں۔

دوسری کار ایک عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔  
حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”دو آدمی بیک وقت مرتے محترمہ۔ آپ اکیلی مرتیں اور ہمیں بالکل افسوس نہ ہوتا۔“

عورت نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ فریدی اپنی کار آگے نکال لے گیا۔  
”یہ عورتیں خوب کار ڈرائیو کرتی ہیں۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”لیکن میں نے آج تک کسی عورت کو تانگہ ہانکتے نہیں دیکھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس پر شائد سوچنے کا دورہ پڑا تھا۔ حمید اُسے ”دورہ“ ہی کہتا تھا۔  
کچھ دیر بعد کار پیر اماؤنٹ اسٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ تیرہویں عمارت کے سامنے فریدی نے کار روک دی۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ یہاں پہنچ کر انہیں احساس ہوا کہ عمارت میں فنج کو تلاش کر لینا آسان کام نہ ہو گا کیونکہ اس کی ساخت بھی شہر کی دوسری کرایہ پر دی جانے والی عمارتوں کی طرح تھی۔ اسی عمارت میں کم و بیش پچیس یا تیس فلیٹ ضرور رہے ہوں گے۔

وہ دونوں کار سے اترے اور فریدی اس بڑے پھانگ کی طرف بڑھا جس کے اندر والی راہداری سے دونوں طرف اوپری منزلوں کے زینے تھے۔ پھانگ پر ایک موٹے اور بھدے جسم والا چوکیدار موجود تھا۔

”کیوں! وہ بوڑھا بندر کس منزل پر رہتا ہے۔“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

”بوڑھا بندر.....!“ چوکیدار نے حیرت سے دہرایا۔ پھر ایک بیک ہنس پڑا۔

”ہنچ صاحب کو پوچھ رہے ہیں شائد۔“ اس نے کہا۔

”ہاں..... فنج.....!“

”پانچویں کے تیسرے میں۔“

فریدی آگے بڑھ گیا۔ پھر جب وہ زینے طے کر رہے تھے حمید بولا۔ ”یعنی پانچویں منزل پر..... خدا کی پناہ..... دم اکھڑ جائے گا۔ ٹھہریے۔“ فریدی رک گیا۔

”آپ اوپر جائیے۔ میں نیچے ہی ٹھہر کر آپ کی واپسی کے لئے دعا کروں گا۔“

”چلو.....!“ فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر بیک وقت دو تین زینے طے کرادیے۔

پہلی منزل کی گیلری میں ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی۔

”مجھے یہیں رہ جانے دیجئے۔“ حمید مغموم آواز میں بولا۔ ”میں یہاں سے بھی آپ کے۔“

دعا کر سکتا ہوں۔“

”بکواس مت کرو۔ خاموشی سے چلتے رہو۔“

حمید نے اس خیال سے قدم بڑھا دیئے کہ کہیں اس خوبصورت لڑکی کے سامنے ہی فریدی اس کی گردن نہ پکڑ لے۔

پانچویں منزل پر پہنچ کر وہ تیسرے فلیٹ کے سامنے رکے۔ دروازہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ فریدی نے دستک دی۔

”بھاگ جاؤ..... ورنہ میں تم پر کتے چھوڑ دوں گی۔“ اندر سے کسی عورت کی چنگھاڑتی ہوئی آواز آئی۔ یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور وہ یقیناً کوئی نجیم شیم عورت تھی۔ آواز یہی ظاہر کر رہی تھی۔

”ہمیں مسٹر فنج سے ملنا ہے۔“ فریدی نے بڑے شریفانہ لہجے میں کہا۔

”اررر..... ہش!“ کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے وہ عورت اپنے رویہ پر متاسف ہو اور پھر دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک لمبی ترنگی سفید قام عورت انکے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے متحیرانہ انداز میں اپنی پلکیں جھپکائیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”اندر تشریف لائیے جناب۔“ کمرے میں معمولی قسم کا فرنیچر تھا۔

”تشریف رکھئے۔“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ”میں سمجھی تھی پڑوس کے شریر بچے ہیں۔ بہت پریشان کرتے ہیں جناب۔ میں تنگ آگئی ہوں۔ مجھے آج تک بچے بھی شریف نہیں ملے۔ آپ آرام سے بیٹھے جناب۔ جوانی میں مجھے مشرق سے عشق تھا مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آدمی کو قطبین میں بھی سکون نہیں نصیب ہو سکتا۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”مسٹر فنج کہاں ہیں۔“

”خدا بہتر جانتا ہے۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے شرفانچے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ آپ آگ تو تاجر بھی معلوم نہیں ہوتے۔“

”کیا یہ ضروری ہے کہ صرف تاجر ہی قسم کے آدمیوں سے مسٹر فنج کی جان پہچان ہو۔“

”اگر میں فنج کو سمجھی ہوں تو یہی ہونا چاہئے۔“

”آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ ہم لوگ نئے نئے کاروباری دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔“

”اور فنج سے زیادہ جان پہچان بھی نہیں ہے۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔“

”اگر آپ فنج کو قریب سے جانتے ہوتے تو آپ کو اس کا بھی علم ہوتا کہ وہ گھر پر کبھی نہیں ملتا۔ وہ صرف پیسہ پیدا کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ ایک ساڑھے چار فٹ کے آدمی سے اگر سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جس کام میں لگے اسی کا ہو کر رہ جائے۔“

حمید اس موٹی عورت کی اس باریک بات پر دنگ رہ گیا۔

”آپ کا مسٹر فنج سے کیا رشتہ ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”وہ رشتہ جس کی اہمیت اس کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ مجھے مسز فنج کہتے ہیں۔“

”ہائیں....!“ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا پھر اس نے اردو میں یہ مصرعہ پڑھا۔

”کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے“

”جی....!“ عورت اُسے گھورنے لگی۔

”مطلب یہ ہے کہ....!“

”میں سمجھتی ہوں مطلب۔ آپ ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔“ عورت مسکرائی۔ ”مگر یہ اس کی عادی ہو چکی ہوں۔ مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوگا۔ جب ہماری شادی ہوئی تھی تو ایک لطیفہ بن کر رہ گئے تھے۔“

”مسٹر فنج سے ملنا بہت ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”گھر حاضر ہے۔ اکثر لوگ فنج سے ملاقات کرنے کیلئے یہاں پندرہ پندرہ دن قیام کرتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”فنج کے ملاقاتی عموماً دوسرے شہروں سے یہاں آتے ہیں اپنے سامان سمیت.... فنج ملاقات نہیں ہوتی اور وہ یہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ فنج کو تلاش کرتے ہیں جب وہ مل جاتا ہے تو سر لے کر وہیں چلے جاتے ہیں جہاں وہ مقیم ہوتا ہے۔ ابھی کل ہی دوپہر کو ایک صاحب آئے تھے سامان رکھ کر جو غائب ہوئے ہیں تو ابھی تک شکل نہیں دکھائی آپ یقین کیجئے کہ ایسے موافق میں بڑی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کئی کئی مہمان یکے بعد دیگرے آج ہیں۔ اس فلیٹ میں صرف تین کمرے ہیں آپ خود سوچئے کہ کس طرح انتظام کیا جاسکتا۔ ایک کمرہ میں نے ایسے لوگوں کے لئے خالی کر دیا ہے۔ وہ آتے ہیں اور فرش پر اپنا بستر بناتے ہیں۔“

”خیر ہم اپنا سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ آئے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”تو آپ ٹھہریں گے۔“ عورت نے بے دلی سے پوچھا۔

”جی ہاں۔ یہ رات تو یہیں گزارنی پڑے گی۔“

”آخر آپ لوگ کسی اچھے ہوٹل میں قیام کیوں نہیں کرتے۔ ذی حیثیت معلوم ہوتے ہیں آپ لوگ۔“

”اب ہم اسے کیا کریں کہ مسٹر فنج کی ہدایات یہی ہے۔“

”خیر چلئے۔ آپ لوگ تو اپنے بستر بھی نہیں لائے۔ کمرے میں صرف چٹائیاں ہیں۔“

”اوہ.... آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ہم تاجر لوگ ہر قسم کی زندگی کے عادی ہوتے ہیں۔“

عورت انہیں ایک کمرے کے دروازے تک لائی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا اور عورت کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ہم آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔“

عورت کچھ کہے بغیر واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

## دوسری عورت

کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ عورت کے بیان کے مطابق وہاں سچے سچ جوٹ کی چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک سوٹ کیس اور ایک مختصر سا ہولڈال رکھا ہوا تھا۔ یہ شاید اسی آدمی کا سامان تھا جو عورت کے بیان کے مطابق پچھلی دوپہر کو یہاں آیا تھا اور غالباً فنج کو ابھی تک شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

فریدی چٹائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”بیٹھو.... فرزند.... بیٹھو.... کسی کا مہمان ہونا بھی کتنی اچھی بات ہے۔ مگر اس شریف عورت نے یہ نہیں بتایا کہ کھانے پینے کی کیا رہے گی میرا خیال ہے کہ اس کی فکر ہمیں ہی کرنی پڑے گی۔“

”آپ سنجیدہ ہیں۔“ حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

”کیا تم نے کبھی کسی موقع پر مجھے غیر سنجیدہ بھی دیکھا ہے۔“

”تو پھر آپ ہی قیام فرمائیے۔ میں اپنے قیام کے لئے کسی یتیم خانے کو ترجیح دوں گا۔“

”بکو اس مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔“

”میری پتلون کی فٹنگ اس کی اجازت نہیں دے گی۔“



فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی سے غور و فکر کرتے رہنے کے بعد اٹھا اور دروازہ بند کر کے اس کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگا۔

”اوہر آؤ....!“ اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

حمید براسامہ بنائے ہوئے اسکے پاس پہنچا اور فریدی اس کی گردن پکڑ کر شیشوں کے قریب کرتا ہوا بولا۔ ”تم اس عورت پر نظر رکھو۔ میں ذرا اس سوٹ کیس اور ہولڈل کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے اپنی ناک شیشے سے لگادی۔ فریدی جو کچھ بھی کرنے جا رہا تھا حمید اُسے تصحیح اوقات تو نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں حاصل ہو سکے گا۔ ویسے اب اُسے فنج کی شخصیت اور زیادہ پراسرار معلوم ہونے لگی تھی مگر وہ تو اس وقت بھی کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جس سے آج ہوٹل نیاگرہ میں ملاقات ہونے کی توقع تھی لیکن اگر فریدی کا پروگرام طویل ہو گیا تو اُسے یہ شام کسی مدقوق کی طرح گذارنی پڑے گی جسے زندگی کی خواہش نہیں رہ جاتی لیکن جینا پڑتا ہے۔

وہ شیشوں سے باہر دیکھتا رہا۔ نزدیک و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ اس کے ذہن پر صرف کہکشاں مسلط تھی۔ ایک شوخ اور چیخ لڑکی جو اُسے احمق سمجھتی تھی اور اس کی کسی بات کا بُرا نہیں مانتی تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد اس نے فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ”اب واپس آ جاؤ۔“

حمید اس کی طرف دیکھے بغیر مڑا اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

”کیا ہو گیا تمہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”مجھے جاسوسی جھگڑا ہو گیا ہے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں کہا۔

”ہم یہاں صرف پندرہ منٹ اور ٹھہریں گے۔ مطمئن رہو۔“ فریدی بولا۔

”اگر آپ مجھے پانچ بجے تک چھٹی دے دینے کا وعدہ کریں تو میں آگ کے سمندر میں بھو

چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں اسی کاغذ پر تھیں۔ جب نے اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ کی مسکراہٹ دیکھی جو فوراً ہی غائب بھی ہو گئی اس کی انگلیوں کے درمیان ایک لفافہ بھی دبا ہوا تھا۔ یہ خط اسی سوٹ کیس سے برآمد ہوا تھا۔

”خدا ان لڑکیوں کو عقل دے۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

”سب کو نہیں.... ورنہ میرا کیا حشر ہوگا۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔

”ذرا یہ خط دیکھو۔“ فریدی نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ خط کسی شہلا نے کسی تنویر کے نام لکھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اس کی تصویر واپس کر رہی ہے۔ اس کی بیوفائی اور لاپرواہیوں کی بناء پر اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس کی تصویر واپس کر دے اور بھی بہترے اقسام کے شکوے تھے۔

”کیا ان صاحبزادے کی تصویر بھی ہے لفافے میں۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہے۔“ فریدی نے لفافہ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

حمید نے لفافے سے تصویر نکالی اور دفعتاً لفافہ اور تصویر دونوں ہی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ پڑے۔

”کیوں.... کیا بات ہے۔“

”یہ.... یہ آدمی۔“

”کیا تم اسے پہچانتے ہو۔“

”اچھی طرح۔ مجھے یقین ہے اس معاملے میں میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔“

”یہ کون ہے۔ خواہ خواہ بات نہ بڑھاؤ۔“

”یہ وہی آدمی ہے جو پچھلی رات مجھے ہوٹل میں ملا تھا۔“

”اوہ....!“ فریدی نے جھک کر لفافہ اور تصویر فرش سے اٹھائے۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔

وہ لفافہ کی تحریر اور خط کی تحریر کا موازنہ کرنے لگا۔ پھر ان سب کو جیب میں ٹھونستا ہوا

بولا۔ ”چلو.... اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔“

وہ دونوں کمرے سے نکلے۔ آگے راستہ نہیں تھا کیونکہ زاہداری سے گذرے بغیر وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے اور زاہداری کا دروازہ دوسری طرف سے بند کر لیا گیا تھا۔

فریدی نے دروازہ تھپتھپایا۔ دوسری طرف سے جلد ہی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھلا۔ موٹی عورت کے چہرے پر اس وقت خوش اخلاقی کے آثار نہیں تھے۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ اس نے خشک اور کھردرے لہجے میں پوچھا۔

”اوہ.... آپ کو تکلیف ہوئی۔“ فریدی اظہارِ افسوس کرتا ہوا بولا۔ ”ہم نے سوچا کہ ہمیں

اس طرح بیکار بیٹھنے کی بجائے مسٹر فنج کو تلاش کرنا چاہئے۔“

عورت زبان سے کچھ کہے بغیر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ دونوں فلیٹ سے باہر آئے۔ زینوں

پر حمید بولا۔ ”اب کہاں۔“

”حاصل ضرب ہو گا گوبر کا ڈھیر۔“

”آپ میری تو بین کر رہے ہیں۔“

”تمہاری کھوپڑی میں گوبر یا بھس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”خیر.... ہو گا۔“ حمید نے اسامندہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

فریدی راہ میں ایک جگہ پھر فون کرنے کے لئے آڑا۔ پبلک فون بوتھ میں اس نے تقریباً دس منٹ صرف کئے اور پھر کار میں واپس آ گیا۔

”کئی خبریں ہیں حمید صاحب۔“ اس نے مشین اشارت کرتے ہوئے کہا۔

”میں پوری طرح دلچسپی لے رہا ہوں کیونکہ پانچ بجے تک مجھے رہا کر دیئے کا وعدہ کر چکے ہیں۔“

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”وہ سنتری مل گیا ہے جس کی ڈیوٹی پچھلی رات اس سفیر کی قیام گاہ پر تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ ڈیوٹی پر جانے کے لئے ارجن پورے کی ایک تاریک گلی سے گذر رہا تھا کہ کسی نے اس کے سر پر کسی وزنی چیز سے حملہ کیا اور آج صبح اس نے خود کو منٹو پارک میں بیہوش پڑا دیا۔ اس کے سر پر گہرا زخم ہے۔“

”کیا سفارت خانہ کی طرف سے رپورٹ بھی نہیں کی گئی کہ سنتری ڈیوٹی پر نہیں پہنچا۔“ حمید نے سوال کیا۔

”یہ بھی ایک عجیب دلچسپ بات ہے۔ آٹھ بجے ڈیوٹی تبدیل ہونی تھی۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ تک صبح کی ڈیوٹی والے سنتری نے اس کا انتظار کیا تھا پھر اس کے بعد وہ سفیر کے پرسنل سیکریٹری سے آٹھ بج کر پانچ منٹ کی روانگی پر دستخط لے کر چلا گیا تھا۔ سیکریٹری نے آٹھ بج کر دس منٹ پر کو توالی فون کیا کہ رات کی ڈیوٹی والا سنتری ابھی تک نہیں پہنچا۔ مگر کو توالی والوں نے لا پرواہی برتی اس کے خلاف رپورٹ تو درج کر لی گئی لیکن پھر سفارت خانہ سے نہیں پوچھا گیا کہ سنتری پہنچا یا نہیں۔ وہ لوگ صرف اس خیال میں رہے کہ وہ کسی وجہ سے دیر میں پہنچا ہو گا لہذا اس سے جواب طلب کر لیا جائے گا۔“

”سفارت خانہ سے بھی پھر فون نہیں کیا گیا۔“

”نہیں....؟“

”کیا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”قطعاً ہے لیکن اس کے لئے بھی جواز پیش کر دیا گیا ہے۔ پرسنل سیکریٹری آج صبح تک کسی

نشہ آور دوا کے اثر سے بیہوش پڑا رہا ہے۔“

”اگر لفافے پر لکھا ہوا پتہ غلط نہیں ہے تو ہم اس تصویر کی اصل جائے قیام تک تو پہنچ ہی سکتے ہیں۔ اس نے تم سے یہی تو کہا تھا کہ اسکے پاس چند خطرناک آدمیوں کے خلاف بعض ثبوت ہیں۔“

”اوہ.... ہاں.... اس نے یہی کہا تھا اور وہ سارے ثبوت اس کے گھر ہی پر کہیں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔“

”بس تو پھر ہم وہیں جا رہے ہیں۔“

”کیا آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔“

”ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ثبوت ان لوگوں کے ہاتھ لگ ہی گئے ہوں۔“

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”کیا اس سوٹ کیس میں اور کچھ نہیں ملا۔“

”ہاں.... ایک چیز اور ملی ہے۔“ فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر حمید کی

طرف بڑھادی۔ وہ لوگ نیچے پہنچ چکے تھے۔

کار پھر چل پڑی۔ حمید اس ڈبیہ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے کھول ڈالا اور اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ وہ سمجھا تھا کہ اس ڈبیہ میں یقیناً کوئی عجیب و غریب چیز ہوگی مگر لوہے کی وہ چھوٹی ٹکلی اُسے نہ تو عجیب معلوم ہوئی اور نہ وہ یہی سمجھ سکا کہ فریدی نے اُسے اتنی اہمیت کیوں دی ہے۔ اس چیز سے زیادہ اس کے بارے میں فریدی کا رویہ عجیب تھا۔

”یہ کیا بلا ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔

”یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”لیکن اسکی اہمیت کا احساس کئے بغیر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکالنا کیوں ضروری سمجھا۔“

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ کتنی احتیاط سے اس ڈبیہ میں رکھی گئی ہے۔“

”محض اسی بناء پر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکال لیا۔“

”محض اسی بناء پر....!“

”فرض کیجئے یہ محض حماقت نکلے تو۔“

”تو میرا کیا نقصان ہو گا۔ میں اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک دوں گا۔“ فریدی نے لا پرواہی سے

کہا۔ پھر بولا۔ ”کیا تم نے اس کی بناوٹ پر غور نہیں کیا۔“

”فی الحال میں اپنی کھوپڑی کی بناوٹ پر غور کر رہا ہوں۔“

”کسی نتیجے پر پہنچنے کا امکان ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”یہی کہ اگر میں اس کو سو سے ضرب دے دوں تو حاصل ضرب کچھ آئے گا بھی یا نہیں۔“

سامنے اس نے کار روک دی۔

یہ عمارت بھی کافی بڑی تھی اور اس میں بھی بے شمار فلیٹ تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر جیب سے لفافہ نکالا اور اس پر لکھے ہوئے پتہ پر نظر ڈال کر کار سے اتر گیا۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد اسی فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ دروازے پر ایسے تنویر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی مگر دروازہ مقفل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف دیکھا۔ پوری گیلری سنسان پڑی تھی۔

”کیوں! کیا ارادہ ہے۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”قفل کھولنا ہے۔“

”دن ہے۔ جناب کرنل صاحب۔ رات نہیں۔ کیا آپ کے پاس خانہ تلاشی کا وارنٹ ہے۔“

”میں خود وارنٹ ہوں۔“ فریدی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ قفل پر جھکا ہوا تھا۔ قفل کھولنے کے اس باریک سے اوزار کی مدد سے جو اس کی جیب میں ہر وقت پڑا رہتا تھا اس نے ایک منٹ کے اندر ہی اندر قفل کھول لیا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور فریدی نے دروازہ بند کر لینے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ فلیٹ نہیں کباڑ خانہ معلوم ہوتا تھا۔ چاروں طرف چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ صندوق کھلے ہوئے تھے اور ان میں رکھی ہوئی اشیاء فرش پر ڈھیر تھیں۔ الماریوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ غرضیکہ مکمل ابتری اور بد نظمی کا نقشہ تھا۔

”اگر تم نے تنویر کی مدد کی ہوتی....!“ فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ تجسسناہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے کسی چیز میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ فلیٹ فنج کے فلیٹ سے زیادہ بڑا تھا۔ اس میں چار کمرے تھے۔ کبھی یہ اچھی طرح آراستہ بھی رہا ہوگا۔ مگر اب تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شیشہ گر کی دوکان میں کوئی بیل گھس کر تباہی پھیلا گیا ہو۔

ان کمروں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ تین کمرے ایک لائن میں آگئے تھے اور دوسری طرف ان سے متوازی ایک بڑا کمرہ تھا۔ دونوں سلسلوں کے درمیان ایک طویل کارپڈر تھا۔ بڑے کمرے کے ساتھ کچن اور باتھ روم تھے۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر انہوں نے پورا فلیٹ دیکھ ڈالا۔ لیکن انہیں اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ملا جس میں ابتری نہ نظر آئی ہو۔

پہلی بار فریدی نے فلیٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی اور اب پوری توجہ سے ایک کمرہ دیکھ

”یعنی.... جس نے اس سنتری پر حملہ کیا....!“

”ہاں.... بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرکتیں ایک ہی آدمی یا گروہ کی ہیں۔ ایک طرف انہوں نے سنتری کو ڈیوٹی پر جانے سے روکا اور دوسری طرف پرسنل سیکریٹری کو کوئی نثر آور دوا دے دی کہ وہ صبح تک غفلت میں پڑا رہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سنتری کو غیر حاضری کی اطلاع دوبارہ نہ دے سکے۔“

”پھر بھی سفیر کیلئے کئی ایسے سوالات تیار کئے جاسکتے ہیں جن کا جواب دینے پر وہ مجبور ہوگا۔“

”ضروری نہیں ہے وہ ہر بات پر اپنی لاعلمی اور حیرت ظاہر کر سکتا ہے اور اُسے ان سوالات کے جواب پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ سب کچھ سنتری کی عدم موجودگی میں ہوا تھا۔ ارے بھئی وہ تو ابھی تک اس حیرت انگیز لاش پر سرپیٹ رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ان واقعات پر حیرت کے عالم میں پاگل بھی ہو سکتا ہے۔“

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”آپ نے ان واقعات کی روشنی میں کیا رائے قائم کی ہے۔“

”میری رائے.... ابھی میں اپنی رائے نہیں قائم کر تا۔ ویسے یہ سب کچھ دو مختلف گروہوں کے تصادم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔“

”اور سفارت خانہ اس میں سے ایک پارٹی ہے۔“

”یہی خیال ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ ”ہاں.... ار جن پورے ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے جسے ابھی شناخت نہیں کیا جاسکا۔ میں نے فنگر پرنٹ سیکشن اس آدمی کو لاش دیکھنے کے لئے فون کیا ہے جس نے شیل کی لاش شناخت کی تھی اور مسز گپتا پڑوسن کو بھی کو تو ابھی بلوایا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مسز گپتا ہی کی لاش ہو۔“

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میں لاشیں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔ کار سے کود جاؤ۔ میں جواب دہی کر لوں گا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور سنجیدگی سے مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ کیوں نہ اس پیشے سے دستکش ہی ہو جائے۔ دن رات لاشیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں پتھر اگئی تھیں۔ ہمہ وقت لاشوں کے تذکرے سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔

فریدی کی کار تیزی سے فرائے بھرتی رہی اور حمید اگلتا رہا۔ جوزف لین کی عمارت

رہا تھا۔ کبھی وہ فرش پر جگہ جگہ پیر مارتا اور کبھی دیواریں تھپتھپانے لگتا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

”نہ جانے آپ کس دھن میں ہیں۔“ حمید جھنجھلا گیا۔ ”آپ کس بناء پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ چیزیں جن کا حوالہ تنویر نے دیا تھا اب بھی یہاں موجود ہوں گی۔“

”مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہیں۔“

”خیر.....!“ حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ ”تلاش کیجئے۔ میں یقین کی وجہ بھی نہیں پوچھوں گا۔“

”وجہ میں تم سے پوچھوں گا۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”مجھ سے..... کیوں؟ کیا میں آپ کو یہاں لایا تھا۔“

”نہیں میں تمہیں یہاں لایا تھا۔ مگر اس لئے نہیں لایا تھا کہ تم کسی کیاب نسل کے مینڈک ہو اور میں تمہیں کسی مرتبان کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔“

حمید بیزاری سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔

فریدی پھر بولا۔ ”میں تمہیں اس لئے لایا تھا کہ تم سے اپنے اس یقین کی وجہ پوچھوں اور تمہیں وجہ بتانی پڑے گی۔“

”میں آپ کی طرح اجناء کی نسل سے نہیں ہوں۔“

”میں پھر کہہ رہا ہوں کہ وجہ تمہیں ہی بتانی پڑے گی کیونکہ وجہ تمہیں صاف نظر آرہی ہے۔ اندھے نہیں ہو۔“

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اس کی آنکھیں خش گمین نظر آرہی تھیں۔ بالکل اسی اسکول ماسٹر کی آنکھوں کی طرح جس کے کسی شاگرد نے پچھلا سبق بھلا دیا ہو۔

حمید نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ چند لمحے سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

”بے شک آپ کا خیال درست ہے۔“

”کیوں؟“

”یہ اتاری بھی ظاہر کرتی ہے۔ اگر مجھے اس فلیٹ کی ایک چیز بھی اپنی جگہ پر نظر آتی تو میں کہہ سکتا تھا کہ وہ ان چیزوں کو پالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“

”گڈ.....!“ فریدی نے چٹکی بجائی۔ ”تمہیں جو گاؤ دی سمجھے وہ خود گاؤ دی ہے۔ بس برائی یہ ہے کہ تم تن آسانی کی تلاش میں اپنی ذہانت کا خون کر رہے ہو۔“

”شکریہ.....!“

”اب آؤ..... میں تمہیں وہ جگہ دکھاؤں جہاں وہ چیزیں ہو سکتی ہیں۔“

”کیا مطلب..... یعنی..... کہ آپ کو جگہ بھی معلوم ہو گئی ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ میرا خیال درست ہو۔ یہ صرف خیال ہے۔ دعویٰ نہیں۔“

وہ اس حصے میں آئے جہاں کچن اور باتھ روم تھے۔ فریدی کچن کے دروازے پر رک کر چوکھٹ کے داہنے بازو پر جھک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے سوراخ میں کچھ دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے جیب سے وہی باریک سا اوزار نکالا جس سے بیرونی قفل کھولا تھا اور اسے سوراخ میں ڈال کر گردش دینے لگا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

”کیوں وقت برباد کر رہے ہیں۔“ حمید بڑبڑایا۔

”بس دیکھتے رہو۔ اب میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ چیزیں یہیں ملیں گی۔“

اس نے اوزار جیب میں ڈال لیا اور پر کوئی دوسری چیز اس سوراخ میں ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور دیوار میں چوکھٹ کے قریب ہی ایک دو فٹ لمبی اور تقریباً ایک باشت چوڑی خلاء نظر آنے لگی۔

حمید نے حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔ اس خلاء میں اُسے بہتیری چیزیں نظر آئیں۔ بڑاؤ زیورات، بڑے نوٹوں کی کئی گندیاں کچھ خطوط اور ایک تیر۔“

فریدی نے تیر اس میں سے نکال لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ حمید دوسری چیزیں اٹھنے پلٹنے لگا تھا۔ اس نے وہ خطوط نکال لئے جو بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے۔ اور پھر انہیں پڑھنے میں اتنا محو ہو گیا کہ فریدی کی موجودگی کا احساس بھی نہ رہا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ کچھ دیر بعد اس نے فریدی کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

”اوہ..... یہ تنویر..... غالباً بلیک میلر بھی تھا۔ یہ مختلف لڑکیوں کے خطوط مختلف آدمیوں کے نام ہیں۔“

”انہیں الگ پھینکو۔ میرے لئے بیکار ہیں۔ یہیں رکھ دو۔“

حمید نے ان خطوط کو اسی خلاء میں رکھ دیا اور فریدی نے جیسے ہی اپنی انگلی اس سیاہ سی چیز پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دیوار برق کی سی سرعت کے ساتھ برابر ہو گئی۔ اب حمید نے غور سے اس چیز کو دیکھا تو یہ وہی لوہے کی نگلی تھی جو فریدی کو تنویر کے سوٹ کیس میں ملی تھی۔ فریدی نے اسے سوراخ سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔

”یہ تیر....!“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”دیکھو خبردار اس کی نوک سے ہوشیار رہنا۔ اس پر ڈاکٹر ڈریڈ تحریر ہے۔ مگر یہاں ڈاکٹر کا کیا کام۔“

”ڈاکٹر ڈریڈ۔“ حمید پیشانی پر شکلیں ڈال کر بڑبڑایا۔ ”یہ نام تو کچھ سنا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔“

”شمالی امریکہ کا خطرناک ترین آدمی۔ زہروں کا ماہر۔ پندرہ سال سے وہاں کی پولیس اس کے چکر میں ہے لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔“

حمید خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

”پھنس گئے۔ بُری طرح پھنس گئے دلدل میں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تیر کا پھل دیکھ رہا تھا۔

دفترا کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

”اندر کون ہے۔“ ایک بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔ حمید دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

”ٹھہرو۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ پھر بچوں کے بل آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک گیا۔

حمید نے دیکھا کہ وہ ایک رخنے سے باہر جھانک رہا ہے۔ دروازہ برابر پیٹا جا رہا تھا۔ پھر کسی نے چیخ کر کہا۔ ”اندر چور ہے۔“

فریدی فوراً ہی حمید کی طرف مڑ گیا اور اسے بھی اشارہ کیا کہ وہ اپنی پشت دروازے کی طرف کر لے۔ باہر شور بڑھتا جا رہا تھا اور ”چور چور“ کی صدا سنیں بلند ہو رہی تھیں۔ فریدی نے حمید کو دوسرے کمرے کی طرف کھینچا۔ وہ اس وقت راہداری میں تھے۔ راہداری سے بڑے کمرے میں مڑ گئے۔

”یہ کیا مصیبت آگئی۔“ حمید بڑبڑایا۔

”فکر مت کرو۔ اب پولیس آئے گی۔“

”مگر اس سے پہلے ہی ہماری کافی آؤ بھگت ہو جائیگی۔ میرا خیال ہے کہ جمع بڑھتا جا رہا ہے۔“

”مت سوچو۔ اس کے متعلق کچھ مت سوچو۔ ابھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آئے گا۔“

”وہ یقیناً دلچسپ ہوگا۔ اخبارات کے لئے.... خصوصیت کے ساتھ کتنی شاندار سرخیار ہوں گی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دو آفیسروں کے دھوکے میں پٹ گئے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

”اچھا بات ہے۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”میں تو گولی مار دوں گا ایک آدھ کو۔“

”شائد اس کی ضرورت نہ پیش آئے کیونکہ وہ پولیس کو ضرور طلب کریں گے۔ پولیس

پر نسلن کے تھانے ہی سے آئے گی۔“

”مگر ہم قانونی طور پر یہاں نہیں داخل ہوئے۔“

”جس نے بھی دروازے پر دستک دے کر چور چور کا شور بلند کیا ہے صحیح آدمی نہ ہوگا۔“

”ممکن ہے وہ تویر کا کوئی عزیز ہو۔“

”اچھا.... مگر اُسے یہ کیا معلوم کہ تویر کے علاوہ اور کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر معلوم ہے کہ تویر مر چکا ہے تو اُسے کم از کم پولیس کو تو اطلاع دینی ہی چاہئے تھی۔ کیونکہ پولیس کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہے جو تویر کی لاش شناخت کر سکے۔“

”ارے جب ہاتھ اٹھ جاتے ہیں لوگوں کے تو منطق اور فلسفہ سب دھرا رہ جاتا ہے۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”وہ نادانستگی میں ہمیں پیٹ دیں گے اور ہم کچھ کر بھی نہ سکیں گے۔“

”بیٹھو خاموشی سے۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ حمید ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے۔ اب باہر سے آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔

بڑے کمرے سے وہ پھر راہداری میں آئے۔ باہر سناٹا تھا۔ فریدی بچوں کے بل دروازے تک گیا اور پھر مڑ کر آہستہ سے بولا۔

”عجیب بات ہے۔ اب یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔“

”خدا کا شکر ہے۔ عجیب بات کیوں۔“

”شائد میں دھوکا کھا گیا۔“

”گھونٹہ کھانے سے بہتر ہے خدا کرے آپ دھوکا کھا گئے ہوں۔“

فریدی نے اس تیر کو پرانے اخبار میں لیٹ لیا تھا اور اب اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے گا۔

اس نے یہی کیا بھی۔ دوسرے لمحے میں وہ باہر گیلری میں کھڑے ہوئے تھے اور یہ گیلری پہلے ہی کی طرح ویران نظر آرہی تھی۔ فریدی نے جھک کر قفل لگایا۔ حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کسی طرف سے لوگ ٹوٹ نہ پڑیں۔ لیکن ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا تھا۔

فریدی نے آگے بڑھ کر تویر کے پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آیا۔

گھنہ اور باتی ہے۔“

”اوہ.... دفع ہو جاؤ۔“

”دفع کہاں ہو جاؤں۔ ذرا مجھے آر لکچو کے سامنے اتار دیجئے گا۔“ حمید کار میں بیٹھتا ہوا بولا۔

”ٹھہرو.... میں ذرا فون کروں گا۔“ فریدی نے کہا اور ایک دوا فروش کی دوکان کی طرف

بڑھا۔ حمید کار میں بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ اب وہ صرف کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آگیا۔ سیٹ پر بیٹھتے وقت اس نے ایک طویل سانس لی۔

”ان خالوں نے ایک اچھے گواہ کا خاتمہ کر دیا۔“

”کیا مطلب۔“

”شیلہ کی بہن مسز گیتا۔“

”اوہ تو وہ لاش اسی کی تھی۔“

”ہاں....!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تارانا ایڈوکیو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔“

”اسے مت چھیڑنا.... بلکہ اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کھیل بگڑ جائے۔“

”سفارت خانہ سے تعلق رکھنے والے سارے مجرم میری نظر میں ہیں۔“

”تارانا ایڈو بھی۔“

”ہاں وہ بھی.... آج سے نہیں بہت دنوں سے۔“

”پھر انتظار کس بات کا ہے۔“

”ثبوت.... تم جانتے ہو کہ ثبوت فراہم کئے بغیر میں کوئی اقدام نہیں کرتا۔“

”کیا آپ نے لیڈی انسپکٹر ریکھا کو گلاب والی لڑکی بنا کر ثبوت نہیں فراہم کیا۔“

”وہ کچھ بھی نہیں ہے حمید صاحب۔ اس سلسلے میں ان پر کوئی بڑا چارج نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ

لوگ یہ کہہ کر واقعات کو دوسرا رنگ دے سکتے ہیں کہ ان کا پیشہ لڑکیاں سپلائی کرنا ہے۔ وہ

سفارت خانہ والوں کے لئے لڑکیاں مہیا کرتے ہیں۔“

”مگر اس کے لئے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال بھی تو کیا

جاسکتا ہے۔“

”تارانا ایڈو اس کا جواب بھی دے سکے گی۔“

”کیا جواب دے سکے گی۔“

”فرمائیے جناب۔“

”ابھی یہاں کہیں چور چور کا شور بلند ہوا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اوہ.... جناب....!“ وہ آدمی ہنس کر بولا۔ ”کوئی بات نہیں تھی۔ محض غلط فہمی۔“

”غلط فہمی کا کیا مطلب۔“

”اندر سے کھڑ بڑا ہٹ سن کر دو آدمی دستک دے رہے تھے اور پھر کوئی جواب نہ پا کر انہوں

نے چور چور کا شور مچا دیا۔ لوگ اکٹھا ہو گئے۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا۔ اس نے ہنس کر کہا کوئی بات

نہیں اندر تو یہ صاحب کے چچا ہوں گے۔ جن کے کان بالکل بیکار ہیں۔ وہ اس وقت تک نہیں

سن سکتے جب تک کہ آلہ سماعت نہ استعمال کریں۔ وہ دونوں آدمی جو دستک دے رہے تھے ہنس

ہوئے چلے گئے۔“

”اوہ.... لا حول ولا قوۃ۔ مگر یہ تو یہ صاحب کہاں ہیں۔“

”پتہ نہیں جناب۔ یہ بتانا بڑا مشکل ہے۔“

”خیر معاف کیجئے گا۔“ فریدی کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

”آپ نے کیا سوچ رکھا تھا جناب والا۔“ حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”کچھ نہ پوچھو.... کچھ بھی نہ ہوا.... خیر.... میں سمجھا تھا کہ وہ پولیس کی مدد ضرور حاصل

کریں گے۔“

”تو اس سے کیا ہوتا۔“

”اپنا داخلہ غیر قانونی تھا۔ اس صورت میں انہیں لوگوں کی گردن لیتا اور پھر اس داخلے

حیثیت غیر قانونی نہ رہ جاتی۔“

”آپ کی دانست میں وہ لوگ کون تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یا تو وہ لوگ جو اس تیر کی تلاش میں تھے یا پھر وہ لوگ تو یہ کی پارٹی سے تعلق رکھتے رہے۔“

”ہوں گے۔“

”تو یہ کی بھی کوئی پارٹی ہو سکتی ہے۔“

”کیوں نہیں وہ تو صاف ظاہر ہے۔ فوج کے یہاں تو یہ کامان پہنچنے کا کیا مطلب ہو

ہے۔ وہ صریح فوج کی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا اور فوج لازمی طور پر سفارت خانے سے متعلق ہے۔“

ان دونوں گروہوں کے درمیان کسی بناء پر ٹھن گئی ہے۔“

وہ عمارت سے باہر آئے اور حمید نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”پانچ بجنے میں صرف آ

”کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔ بہر حال عدالت میں طریقہ کار زیر بحث نہیں آسکتا۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ اعتراف ہی کر لیں کہ وہ لڑکیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔“

”مگر جناب.... وہ لاش.... سفارت خانہ اس لاش کے متعلق کیا کہے گا۔“

”یہی کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ لڑکیاں لاتے تھے کوئی ان کی تاک میں تھا اور اس نے مقصدانہ کاروائی کی تھی۔“

”اچھا.... اچھا.... آپ ثبوت تلاش کیجئے۔ میں سکون کی تلاش میں جا رہا ہوں۔“

”قبر کی تلاش کہو۔“

”قبر ہی سہی۔ آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ عورت ہی جہنم دیتی ہے اور عورت ہی قبر بنتی ہے۔“

”اور تم جیسے لوگ عقل کے اندھے کہلاتے ہیں۔“

”کہلاتے ہوں گے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید کی یہ حرکتیں اس کے لئے نئی نہیں تھیں اور اب وہ اس مسئلے پر شاذ و نادر ہی گفتگو کرتا تھا لیکن جب حمید کام کے وقت بھی اپنی مصروفیات کو خیر باد کہنے پر تیار نہیں ہوتا تھا تو اسے غصہ آتی جاتا تھا۔ مگر آج نہ جانے کیوں اس نے اسے آکر لکچو کے پھاٹک پر اتار ہی دیا۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹائی کی گرہ درست کی اور گھڑی پر نظر ڈالا ہوا آکر لکچو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ کہکشاں نے ٹھیک پانچ بجے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ ہال میں موجود تھی۔ حمید کو دیکھ کر اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرائی بالکل اسی طرح جیسے اسے بہت حقیر سمجھتی ہو یا کوئی معمر آدمی کسی بچے کو دیکھ کر مسکرائے۔

”الو....!“ حمید اسی میز پر بیٹھا ہوا ہوا۔ ”بدھو کے معنی سمجھتی ہو۔“

”یہ لفظ بجائے خود اتنا پیارا ہے کہ معنی پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔“

”لاطین میں شوہر کو کہتے ہیں۔“ حمید اسے گھورتا ہوا ہوا۔

”آج غفلتوں کی طرح بول رہے ہو۔ کیا بات ہے۔“

”آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں واقعی الو ہوں۔“

”لیکن اس احساس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“

”میں ایسی ہی باتیں کر سکتا ہوں جیسی اس وقت کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی میں ایک کتاب پڑھ کر آ رہا ہوں جس میں لکھا ہوا تھا کہ عورتوں سے اکثر کر رہنا چاہئے۔“

”خوب....!“ کہکشاں مسکرائی۔ ”مگر تم اکثرے ہوئے نظر نہیں آتے۔“

”وہ.... تم کیا جانو.... یہ مطلب تھوڑا ہے کہ جسم اکڑائے رہنا چاہئے۔“ حمید احمقانہ انداز میں۔

”پھر....!“

”مطلب یہ کہ.... بس.... اکڑنا.... یعنی کہ.... کس طرح سمجھاؤں۔“

”نہ سمجھاؤ لیکن اپنے متعلق ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرتے ہو۔ کہاں رہتے ہو۔ ذریعہ معاش کیا ہے۔“

”کیوں.... یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو۔“

”وہ.... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اتنے گہرے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے قریب کچھ نہیں جانتے۔“

”نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے ورنہ عموماً بڑی کوفت ہوتی ہے۔“

”کیوں! کوفت کیوں ہوتی ہے۔“

”بس ختم کرو۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اگر اس سلسلے میں کچھ اور سنا گا تو تم مجھے زیادہ الو سمجھو گی۔“

”میں نہیں سمجھوں گی۔ آخر تم چھپاتے کیوں ہو کہ تم کون ہو۔“

”اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”خیر نہ بتاؤ۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تم مجھ سے بہت کچھ چھپاتے ہو۔“

”یقیناً چھپاتا ہوں۔ مجھے اس سے انکار کب ہے۔ میں تم سے یہی چھپاتا ہوں کہ میرا نام القادوس ہے۔“

”ہائیں.... تو اس معاملے میں بھی تم جھوٹ ہی بولے تھے۔ تم نے اپنا نام جمیل بتایا تھا۔“

”جمیل تو تخلص ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ لوگ مجھے جمیل چڑالوی کہتے ہیں۔“

”چڑالوی کیا بلا ہے۔“

”تم خود ہو گی بلا.... چڑالوی کیوں ہو۔ بس اسی لئے تو میں عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔“

”یہ ہے.... وہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہو! دیکھا کیوں ہو!۔“

”میں تمہارا گھر دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”مگر بھی میں نہیں دکھا سکتا۔“

”ہاں! میں جانتی ہوں کہ کوئی بہت بڑے آدمی ہو۔ مگر پراسرار۔“

”کیوں یہ تم کس بناء پر کہہ رہی ہو۔“

”میں نے تمہیں کئی بار ایک ایئر کنڈیشنڈ لکسن گاڑی میں دیکھا ہے۔“ کہکشاں نے کہا۔

شہر میں شاید پانچ یا چھ لکسن گاڑیاں ہوں۔“

”ہو سکتا ہے میں کسی بڑے آدمی کا موٹر ڈرائیور ہوں۔“

”موٹر ڈرائیور اتنے قیمتی سوئوں میں نہیں رہتے۔ میں تمہیں ہر بار نئے سوٹ میں دیکھتی ہوں۔“

”چھوڑو.... ختم کرو۔ اس قصے کو۔“ حمید پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”نہ تمہیں“

فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ مجھے۔“

حمید نے پاپ میں تمباکو بھر کر اُسے میز پر رکھ دیا۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کی طرف دیکھتا رہا پھر پاپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”لو....!“

”میں کیا کروں۔“ کہکشاں حیرت سے بولی۔

”بیو....!“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ارے واہ....!“

”اس جملے کے کیا معنی ہوئے۔“ حمید نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

”کری اٹھا کر بیٹھ دوں گا تمہارے سر پر۔ میں پوچھتا ہوں پاپ پینے میں کیا حرج ہے۔“

”عورتیں پاپ نہیں پیتیں۔“

”پینا پڑے گا عورتوں۔“ حمید میز پر گھونہ مار کر بولا۔ ”عورتوں کی فوج بن سکتی عورتیں ڈپٹی کلکٹر ہو سکتی ہیں۔ عورتیں طیارے اڑا سکتی ہیں۔ عورتیں رائل نفل چلا سکتی ہیں۔ وجہ ہے کہ عورتیں پاپ نہ پئیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو میں تمہیں حقہ تک پلا چھوڑ دوں۔“

”آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔“ کہکشاں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

”آج مجھے اجاس ہو گیا ہے کہ میں واقعی اُلو ہوں۔“ حمید نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

”اچھا میں جارہی ہوں۔ اب تم سے نہیں ملوں گی۔“

”مجھے تمہارا گھر معلوم ہے۔“

”نہیں میں کسی اُلو سے ملنا پسند نہیں کرتی۔“

”اچھا.... میں عہد کرتا ہوں کہ قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔“

ان دونوں میں نوبتے رات تک اوٹ پٹانگ قسم کی بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ ریکریشن ہال میں جانے کے لئے اٹھے تھے کہ حمید کو سارنٹ رمیش نظر آیا۔ وہ اُسے اشارے سے بلارہا تھا۔

”ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔“ حمید نے کہکشاں سے کہا اور رمیش کی طرف بڑھ گیا۔

”کرٹل صاحب نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔“ رمیش نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”ان سے کہہ دینا کہ میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”تم سو فیصدی ڈیوٹی پر ہو چکے نے تم لوگوں کو طلب کر لیا ہے۔ بقیہ رخصت منسوخ کر دی گئی۔“

”چکے کی ایسی کی تیشی۔ دو ایک راؤنڈ ناچے بغیر یہاں سے نہیں جاسکتا۔“

”تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری لاش کی شناخت نہ ہو سکے۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل کرٹل صاحب اس زہریلے تیر سے بال بال بچے ہیں۔ بس قضای نہیں آئی تھی۔“

”کیا ہوا تھا....؟“

”مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے۔ بہر حال تمہیں ابھی میرے ساتھ واپس چلنا ہے۔“

”اوہ.... اچھا ٹھہرو۔“ حمید نے کہا اور دوڑتا ہوا کہکشاں کے پاس آیا۔

”دیکھو ڈیر....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”میرے فادر کے پیر میں بچھونے ڈنک مار دیا ہے اور مجھے فوراً گھر پہنچنا ہے۔ کہیں وہ اوٹ پٹانگ قسم کا وصیت نامہ نہ مرتب کر ڈالیں۔ جلد ہی ملاقات ہوگی۔ تم فکر نہ کرنا۔ اچھا.... ٹانا....!“

حمید مجنونانہ انداز میں چلتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے رمیش تھا۔



کلاک نے ایک بجایا اور حمید ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے رک گیا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔ اسے یہ بات گراں گذری تھی کہ فریدی رات گئے تھا باہر گیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر جانا چاہتا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ یہ حقیقت تھی حمید اس کے لئے کافی مضطرب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کام سے جان چھڑانے ہی کی فکر میں رہا کرتا تھا۔ مگر ایسے حالات میں جب اُسے فریدی کی زندگی خطرے میں نظر آتی تھی وہ بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آنے لگتا تھا۔



آج جب وہ اس لڑکی کے ساتھ آر لکچو میں تفریح کر رہا تھا۔ فریدی پر حملہ ہوا اسے آر لکچو میں اس کی اطلاع ملی تھی اور وہ اپنی تفریحات کو خیر باد کہہ کر گھر چلا آیا تھا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ حملہ اسی خوفناک تیر سے ہوا تھا جس کا ایک شکار حمید کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنے بھیاںک انجام کو پہنچا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ سنا اور لرز گیا۔ فریدی پر کسی دیرانے میں حملہ نہیں ہوا تھا بلکہ شہر کی ایک بارونق سڑک تھی وہ اپنی کار سے اتر کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہو رہا تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی اس کے داپنے کان کے قریب سے گذر کر ایک کھٹاکے کے ساتھ لکڑی کے بوتھ میں بیوست ہو گئی۔ وہ ایک تیر تھا بالکل اسی ساخت کا جیسا فریدی نے تویر کے فلیٹ سے برآمد کیا تھا۔ پھر ہوشیار ہو جانے کے بعد یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فریدی پر ہاتھ ڈال سکتا۔ مگر فریدی نے یہ بھی دیکھا کہ ایک نامعلوم آدمی اپنی جان پر کھیل کر اس تیر کو بوتھ کی دیوار سے نکال لے گیا۔ یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ریوالور سے نکلنے والے شعلے نے اُسے پیچیس قدم سے زیادہ نہ چلنے دیا ہو۔

گوئی اس کے پیر میں لگی۔ وہ لڑکھڑا کر گر اور چاروں طرف سے راہ گیر دوڑ پڑے۔ پھر اچانک پانچ چھ آدمی زخمی پر گر پڑے۔ لیکن جب تک فریدی وہاں پہنچا تیر غائب ہو چکا تھا۔ بھیڑ زیادہ ہونے کی بناء پر پتہ نہ چل سکا کہ تیر کس نے وہاں سے غائب کیا۔ البتہ جو اسے بوتھ کی دیوار سے نکال کر بھاگا تھا وہ زندہ آدمیوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مگر کیا اس کی موت ریوالور کی گولی سے واقع ہوئی تھی۔ بعد کی تحقیقات نے اس کی تردید کر دی کیونکہ مرنے والے کی کلائی میں ایک چھوٹا سا زخم تھا اور اس کے جسم کے کھلے حصوں پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ ان کی شناخت ہی بدل گئی تھی۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا تھا کہ وہ زخم اس زہریلے تیر کا تھا۔ غالباً تیر کو غائب کر دینے والے نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اسے ختم ہی کر دے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ فریدی ان لوگوں کی راہ پر لگ جاتا۔ جوان تیروں کے ذریعہ اب تک تین زندگیاں ختم کر چکے تھے۔

فریدی نے حمید کو یہ سب کچھ بتایا اور محتاط رہنے کی ہدایت کی۔ پھر خود تنہا باہر چلا گیا۔ حمید نے انتہائی کوشش کی کہ وہ اُسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن فریدی نے یہ کہہ کر اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا کہ وہ وہیں ٹھہر کر فون پر اس کے پیغامات کا انتظار کرے۔

اب حالات کچھ اور تھے اس لئے حمید بھی پوری طرح ہوشیار ہو گیا تھا اُسے یقین تھا کہ یہ معاملہ بہت آگے بڑھ جائے گا۔ فریدی ایسے مجرموں کے لئے دن رات ایک کر دیتا تھا جو براہ راست قانون کے محافظوں سے ٹکرانے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسری طرف حمید کو اس کی بھی

فکر تھی کہ اگر وہ سچ سچ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ تھا تو اس میں ناکامی کے امکانات بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ ایک بین الاقوامی مجرم تھا اور امریکہ کی پولیس آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک پُر اسرار اور خطرناک آدمی تھا۔

حمید ٹھلٹا اور سوچتا رہا۔ ڈاکٹر ڈریڈ وہ آدمی تھا جس نے ایک بار امریکی سینٹ کے تین ممبروں کو بیک وقت ہلاک کر دیا تھا۔ وہ مجمع عام نہیں تھا بلکہ وہاں صرف سرکاری آدمی تھے۔ بیک وقت تین لاشیں فرش پر گریں اور تقریباً پانچ منٹ کے اندر اندر تقریب گاہ کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ حملہ آور ڈاکٹر ڈریڈ کا یہی طریق کار تھا کہ وہ اپنے شکاروں کے قریب اپنا وزیٹنگ کارڈ ڈال دیا کرتا تھا۔ مرنے والے تین آدمیوں پر بغیر آواز کے ریوالور سے گولیاں چلائی گئی تھیں اور وہ ریوالور وہیں پڑا بھی گیا تھا۔ یہ تھا ڈاکٹر ڈریڈ۔ امریکہ کی پولیس کے پاس اس کے ایک نہیں ہزاروں فوٹو تھے لیکن وہ ابھی تک اُسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

یہاں بھی یہ ہنگامے اگر ڈاکٹر ڈریڈ ہی کی ذات سے ہو رہے تھے تو اس نے اپنا طریق کار یقینی طور پر بدل دیا تھا جو اس کے مخصوص انداز کے برعکس تھا۔ امریکہ میں اس نے اب تک جتنی بھی وارداتیں کی تھیں ان کے متعلق اس نے کسی نہ کسی طرح بتا دیا تھا کہ اسی کی ذات سے تعلق رکھتی تھیں مگر یہاں وہ بڑی رازداری سے کام لے رہا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک پر فریدی نے اس کا نام بھی لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تیر پر نام تحریر ہونے کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ اپنے جرائم کا پروپیگنڈا چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی تیر غائب کر دیئے تھے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فی الحال ان معاملات میں اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔

یہ ساری باتیں حمید کے ذہن میں چکراتی رہیں اور ٹھلٹا رہا۔ ایک بج کر بیس منٹ پر فون جاگا۔ سنائے میں اسکی گھنٹی کی آواز حمید کے ذہن پر گراں گذری لیکن اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

”حمید....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم تیار ہونا۔“

”بالکل تیار ہوں۔“

”مگر ابھی تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ فی الحال ایک بلڈ ہاؤنڈ کتا خانے سے نکلواؤ اور میری دوسری کال کا انتظار کرو۔“

”بہت بہتر.... کیا آپ تنہا ہیں۔“

”نہیں میرے ساتھ میرے عزائم بھی ہیں۔“ فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے کتے خانے سے ایک بہترین قسم کا بلڈ ہاؤنڈ نکلوایا۔ وہ ایک تربیت یافتہ کتا تھا اور اپنے شکار کو سمندر کی تہ میں بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ حمید سوچنے لگا کیا فریدی اُن میں سے کسی کی کوئی چیز پا گیا ہے۔

کتا اس نے وہیں کمرے ہی میں منگو لایا تھا۔ جو اس کے پیروں کے قریب بیٹھا اپنی سرخ زبان لٹکائے ہانپ رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی پھر بجی اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ”بس اب آجاؤ۔ میں پر نسلن کے چوراہے پر تمہارا منتظر ہوں۔ گیراج سے وہ گاڑی نکالو جس کے نمبر تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ کتا اپنے ساتھ لانا۔“

حمید نے فوراً تعمیل کی۔ وہ تھوڑی دیر بعد گیراج سے چھوٹی آسٹن نکال رہا تھا۔ یہ کار شاذ و نادر ہی استعمال کی جاتی تھی۔ خاص قسم کی مہمات کے علاوہ اسے اور کسی مصرف میں نہیں لایا جاتا تھا۔ اس کی نمبر پلیٹ بہ آسانی تبدیل کی جاسکتی تھی۔

وہ بلڈ ہاؤنڈ سمیت پر نسلن کے چوراہے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ سردی شباب پر تھی اور شہر میں آلو بول رہے تھے۔ ”یہ تو ”خادوے“ کی بات رہی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اتنی شدید سردی میں آلو بھی اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکل کر بولنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ چھوٹی آسٹن سنمان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ پھر پر نسلن کا چوراہا آگیا۔ فریدی یہاں موجود تھا۔ مگر تنہا۔ اس نے اپنی لنگن خدا جانے کہاں چھوڑی تھی اور رات گئے کسی آوارہ گرد کی طرح سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ وہ کار میں آبیٹھا۔

”چلو.....!“

”کہاں چلوں۔“ حمید نے پوچھا۔

”لاؤ در روڈ۔ فکر نہ کرو۔ اگر ناکامی ہوئی تب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا۔“

”کیوں؟“

”کیوں..... اب میں جو کچھ بھی کرنے جا رہا ہوں وہ ایسا ہی ہوگا جیسے سانپ کی لکیر پینٹنا۔“

”کیا بات ہے۔ کچھ تو مجھے بھی بتا دیجئے۔“

”میرا خیال ہے کہ مرنے والے کے گرد جو مجمع اکٹھا ہو گیا تھا اس میں سے ایک آدمی کو میں نے پہچان لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت نادانستگی میں اسی سے ٹکرا گیا ہوں۔“

”وہ ہے کہاں۔“

”پتہ نہیں۔ اب یہ بلڈ ہاؤنڈ اُسے ڈھونڈھ نکالے گا۔“

”ہیسا اس کی کوئی چیز ہاتھ آگئی ہے۔“

”ہاں..... ایک رومال۔ جو کثرت استعمال سے بہت میلا ہو گیا ہے۔“

فریدی نے وہ رومال جیب سے نکال کر پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے سونگھتا رہا۔ حمید یہ سب کچھ بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

”چلو بھئی..... کیا سوچنے لگے۔“ فریدی نے اس کے پہلو میں کہنی سے ٹھوکا دیا اور کار چل پڑی۔

”وہ کہاں ملا تھا آپ کو۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہوٹل ڈی فرانس کے چھانک پر جہاں سے وہ فنج کے ایک ساتھی کا تعاقب شروع کر رہا تھا۔“

”فنج اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔“

”وہ سب میری نظر میں ہیں۔“

”اگر وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی ہے تو اتنی رازداری سے کیوں کام لے رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ

امریکہ میں اپنے نام کے اعلان کے ساتھ جرائم کرتا رہا ہے۔“

”اوہو..... تو تیروں کے غائب کرادیے کا مقصد تمہاری سمجھ میں آگیا ہے۔“

”ہاں..... اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے، مقصد کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ مگر آخر

تیر پر نام ہونے کا کیا مقصد ہے۔ اگر ان تیروں پر اس کا نام تحریر نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ انہیں

غائب کرانے کی بھی ضرورت نہ پیش آئے۔“

”تیروں پر نام ہی ہوتا تو سب سے بڑا مقصد ہے حمید صاحب۔ تم ڈاکٹر ڈریڈ اور اس کے

کارناموں سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔“

”میں لاکھ واقف ہوں لیکن یہ موٹی سی بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ

بالکل گدھا ہے۔ تیروں پر اپنا نام لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ وہ رازداری کے لئے تیر غائب

کر دینا چاہتا ہے۔ اگر نام تیروں پر موجود نہ ہو تو انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔“

”تم نہیں سمجھے۔ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب تک ڈاکٹر ڈریڈ سے اچھی طرح واقف نہ ہو۔ وہ

جہاں بھی جاتا ہے تنہا جاتا ہے اور وہیں کے مقامی آدمیوں کا ایک گروہ ترتیب دیتا ہے۔ اُن

آدمیوں کو ترتیب دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ انہیں طریقوں سے انہیں تربیت دیتا

ہے۔ مثلاً تیروں پر اپنا نام لکھو دیا اور گروہ والوں کو تاکید ہے کہ کسی طرح اس کا نام ظاہر ہونے

پائے لہذا وہ چھپکے ہوئے تیروں کو حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ ایک بار اس

نے یہی طریقہ جنوبی افریقہ میں بھی استعمال کیا تھا۔ بس یہ اتفاق ہی ہے کہ ایک تیر میرے لگ گیا۔ لیکن اس سے ڈاکٹر ڈیڈ کا کیا بگڑتا ہے۔“

”پھر اس تیر کو حاصل کرنے کے لئے اتنی جدوجہد کیوں جاری تھی۔“

”ڈاکٹر ڈیڈ کا کھیل۔ محض اپنے آدمیوں کو ترتیب دینے کا ایک طریقہ۔ سنو فرزند۔ یہ ایسا نہیں ہے جس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جاسکے۔ امریکہ کے بچے بچے کے ذہن میں ڈاکٹر ڈیڈ تصور ہے۔ لیکن پھر وہاں کی پولیس آج تک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ امریکہ کے اخبارات آئے دن اس کی تصاویر کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دنیا کے ان بگڑ گئے چنے آدمیوں میں سے ہے جنہیں اپنی تصاویر کی تعداد اشاعت پر ناز ہو سکتا ہے۔“

”تب تو پھر.....!“

”تب تو پھر کیا۔“

”کچھ نہیں.... اللہ مالک ہے۔“

”میں اس سے استمداد کروں گا کہ تم پر کوئی زہریلی عورت پھینک مارے۔“ فریدی نے قہقہہ اٹھا کر ایسا ہوا تو..... میں اس وقت بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔“

کچھ دیر تک وہ خاموش رہے پھر فریدی نے کہا۔ ”کاربائیں جانب والی گلی میں کھڑی کرو۔ حمید کا بتائے ہوئے مقام پر کھڑی کر کے نیچے اتر گیا۔ وہ بلڈ ہاؤس کی زنجیر تھامے ہوئے تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس یہاں سے دور نہیں تھا۔ اچانک ایک جگہ کنارہ کر مخالف سمت میں جکے لئے زور کرنے لگا۔ وہ بار بار زمین سو گتھ کر غرار ہوا تھا۔

”بچے سے زنجیر نکال لو۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ بچہ بچہ ہے۔“

”اگر اس نے دوڑنا شروع کر دیا تو۔“

”میں تمہیں اس کی دم سے باندھ دوں گا۔“

”نہیں واقعی۔ میں اس کتے کے پیچھے نہ دوڑ سکوں گا۔ کیوں نہ ہم کاری میں رہیں اور رہنمائی کرے۔“

”میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔“

حمید نے بچے سے زنجیر نکال دی اور کنارہ زمین سو گتھ ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ حمید اور فریدی اس کے پیچھے چلتے رہے۔ وہ کونینس روڈ۔

گذرتا ہوا ایکسٹن اسٹریٹ میں مڑ گیا اور چلتا رہا۔

”کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آدمی اپنی منزل مقصود تک پہنچ ہی گیا ہو۔“

”فکر مت کرو۔ یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ نہ گیا ہو۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

سارا شہر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سڑک کے کنارے روشنی کے ستون اوجھکتے ہوئے سے معلوم ہو رہے تھے اور شاید پورے موسم کی سردی بحیثیت مجموعی آج ہی ختم ہو جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ریکسٹن اسٹریٹ سے وہ تلک روڈ پر آئے۔ یہاں اس سڑک پر روشنی کی لائین فیل ہو گئی تھی۔ پوری سڑک تاریک تھی۔ فریدی کو اپنی ٹارچ روشن کرنی پڑی۔

کتا ایک چوراہے پر رک گیا۔ یہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس کا شکار کس طرف کیا تھا۔

شاید آدھے منٹ کے بعد ہی وہ پھر ایک طرف چل پڑا۔ اس کا رخ دیکھ کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ بالکل اسی انداز میں جیسے اُسے یقین رہا ہو کہ وہ اسی سمت جائے گا۔ کتا ارجن پورے کی طرف جا رہا تھا۔

”میرے خدا.... کیا یہ سنگ نجس پورے شہر میں در در پھرائے گا۔“ حمید کراہ کر بولا۔

دفعتاً کتے نے سڑک پر ایک چکر لگایا اور پھر اسی طرف مڑا جدھر سے ابھی چلتا آیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چل رہا تھا۔ پھر وہ ایک پبلک پیشاب خانہ کے دروازے پر رک گیا۔

”کیا یہ آپ سے مذاق کا کوئی رشتہ رکھتا ہے کرٹل صاحب۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ لیکن کتا دوسرے ہی لمحے میں غراتا ہوا پیشاب خانے میں گھس چکا تھا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے ہی جھپٹا۔ حمید نے بس اتنا ہی دیکھا کہ فریدی نے جھک کر اس کا پٹہ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ حمید کے ہاتھ میں ٹارچ روشن تھی اور وہ بخوبی دیکھ رہا تھا کہ کتا فریدی کی گرفت سے نکل کر اس لاش پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا جو پیشاب خانے کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

لاش کا چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا اور اُسے کسی دھار دار حربے سے قتل کیا گیا تھا۔ فرش پر چاروں طرف خون کی سرخی نظر آرہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقوعہ کے بعد سے کوئی اس پیشاب خانے میں نہیں آیا تھا یا ممکن ہے آیا بھی ہو۔

فریدی کتے کو کھینچتا ہوا پیشاب خانے سے نکل آیا۔

”زنجیر ڈال دو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے جگایا ہے کہ کہکشاں مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔“  
 ”ہائیں۔“ حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”تب پھر جگانے کی کیا ضرورت تھی۔ سوتے ہی میں  
 ہر کا انجکشن دے دیا ہوتا۔“

”نہیں رقیب کے بغیر عشق کہاں۔ بقول مرزا سوا۔“

سامنے اس کے نہ کہتے مگر اب کہتے ہیں

لذت عشق گئی غیر کے مر جانے سے

”ارے آپ تو پیشہ ور قسم کے عاشق معلوم ہوتے ہیں۔“

”ختم کرو۔“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”اس وقت ہمیں اسی سفارت خانے کی ایک دعوت میں  
 چلنا ہے جس کا کیس ہمارے ہاتھ میں ہے۔“

”یہ کس تقریب میں۔“

”ان کی حکومت کا جشن سالگرہ ہے۔“

”آپ کے پاس آیا ہے دعوت نامہ۔“

”ہاں بھی اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم یونہی چلے جائیں گے۔“

”اوہو..... پہلے تو کبھی کسی سفارت خانے کی دعوت میں ہمیں نہیں مدعو کیا گیا۔“

”نہیں..... ہمیں کبھی کوئی فراموش نہیں کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم عدیم الفرصتی کی بناء  
 پر شرکت نہ کر سکیں۔“

فریدی اُسے تیار رہنے کی تاکید کرتا ہوا چلا گیا..... حمید کو اس دعوت پر حیرت تھی اور یہ  
 حیرت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ وہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ دراصل بات یہ تھی کہ  
 سفارت خانہ نے اس جشن کے سلسلے میں سرکاری طور پر کرنل فریدی اور کمیشن حمید کی خدمات  
 حاصل کی تھیں۔ خیال یہ تھا کہ کہیں اس جشن کے دوران میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ پھر فریدی  
 نے مزید وضاحت کر دی۔

”دیکھو..... فرزند.....!“ اس نے کہا۔ ”یہ سفیر بڑا شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ہماری ہی  
 خدمات حاصل کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے ان نامعلوم دشمنوں سے خائف ہے۔  
 جنہوں نے سفارت خانہ کو بدنام کرنے کے لئے وہاں ایک قتل کر دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ  
 مغرب میں آج کل ٹھنڈی جنگ جاری ہے۔ لہذا ہماری حکومت اسے باور کر لے گی کہ کوئی تیسرا

”کیا یہ وہی آدمی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے لیکن ہے وہی آدمی اس کے جسم پر وہی لباس موجود ہے جو میں نے کچھ  
 دیر پہلے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کارنامہ فوج کی پارٹی کا ہے۔ یہ آدمی فوج میرے لئے ڈاکٹر ڈریڈ  
 سے بھی زیادہ بڑا اسرار ہے۔“

”کیا وہ چھوٹا آدمی.....!“

”ہاں وہی.....“ ٹھہرو..... میرا خیال ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک میونسپل شفاخانہ ہے۔  
 ہمیں وہاں سے کو توالی فون کرنا چاہئے۔“

”کیا ہم دونوں تنہا ہی ہیں۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”قطعی.....!“

”میں سمجھا تھا ہمارے ساتھ پوشیدہ طور پر کچھ آدمی اور بھی ہوں گے میں یہ سوچ بھی نہیں  
 سکتا کہ آپ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تنہا نکلیں گے۔“

”میں خود کو اس کے مقابلے کے لئے اتنا کمتر نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ اپنے ساتھ ایک فوج  
 لئے پھروں۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ ایسی ہی باتوں پر اکثر اُسے فریدی خلل دماغ کا شکار معلوم ہونے لگتا تھا۔  
 میونسپل شفاخانے سے کو توالی کیلئے فون کر چکے بعد وہ پھر اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں لاش پڑی  
 ہوئی تھی۔ پھر صبح پانچ بجے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ واپسی پر فریدی کچھ شکر سا نظر آ رہا تھا۔  
 گھر پہنچ کر ناشتے کے بعد فریدی نے کہا کہ وہ کچھ دیر سونا چاہتا ہے۔ حمید کے لئے یہ بات  
 بالکل نئی تھی۔ اس نے آج تک اُسے دن میں سوتے نہیں دیکھا تھا۔

دن کو وہ کبھی نہیں سوتا تھا خواہ پچھلی راتیں جاگ کر ہی کیوں نہ گذاری ہوں۔

حمید کے ذہن پر اس بُری طرح نیند حاوی تھی کہ اس نے اس تبدیلی کی وجہ بھی نہ پوچھی۔  
 وہ تقریباً چار بجے تک سوتا رہا۔ احتیاطاً اس نے اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا  
 تھا کہ فریدی سوتے وقت اس تک پہنچ سکے، لیکن چار بجے وہ فریدی ہی کی وجہ سے بیدار ہوا جو  
 بہت بُری طرح اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

”ابھی تک نیند ہی نہیں پوری ہو سکی۔“ فریدی نے کہا۔

”ہو گئی۔“ حمید نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

ملک ہم دونوں کے تعلقات خراب کرانا چاہتا ہے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔

”یہ بہت اچھا ہوا۔“ فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ ”ورنہ تمہارے ساتھ تو عموماً کافی۔“

تک سر مارنا پڑتا ہے۔“

فریدی نے اپنے عملہ کے تین سب انسپکٹر بھی وہاں لگا رکھے تھے مختلف مقامات پر انکی ڈیوٹی

رکھی گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو یقین ہو کہ اس جشن میں ہڑبونگ ضرور ہوگی

”کیا آپ کو یہاں فوج کی پارٹی کا بھی کوئی آدمی نظر آیا ہے۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”نہیں.... اُن میں سے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا جنہیں میں جانتا ہوں۔“

”کاش میری ناک چھٹی ہوتی۔“ حمید نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔

”کیوں۔“

”وہ چینی لڑکی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔“ حمید نے سر کی جنبش سے ایک طرف اشارہ کر

”ادو....!“ فریدی کی آواز تحیر آمیز تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس چینی لڑک

دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

”حمید.... اُس آدمی کو دیکھ رہے ہو جو اس لڑکے کے پیچھے کھڑا ہے۔“ اس نے کہا۔

”آ.... ہاں.... کیوں....!“

”اُس کے ہاتھ میں کتنی خوبصورت چھڑی ہے۔“

”کیا بات ہوئی جناب۔ مجھے تو اُس میں کوئی خاص بات نہیں نظر آئی۔ ایک معمولی سا

جس پر رنگین تار لپٹے ہوئے ہیں۔“

”کیا پہلے کبھی اس قسم کا کوئی بید تمہاری نظروں سے گذر چکا ہے۔“

”مجھے یاد نہیں۔“ حمید چڑھ کر بولا۔ ”آخر آپ یہ کیسا تذکرہ لے بیٹھے ہیں۔“

”کچھ نہیں یونہی۔“ فریدی نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

حمید نے دیکھا کہ اب بھی اس کی نظر اسی آدمی کی چھڑی پر جمی ہوئی ہے۔ فریدی کے

انہماک پر حمید کی دلچسپی بھی بڑھ گئی۔ اس نے ایک بار قریب سے بھی بغور اس چھڑی کا جائز

لیکن اپنے ظاہر کردہ خیال سے ایک انچ بھی نہ ہٹ سکا یعنی وہ ایک معمولی سا بید تھا جسے

رنگوں کے تار لپیٹ کر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آج تک اسی قسم کی کوئی دو

چھڑی اس کی نظروں سے نہیں گذری تھی۔ لیکن وہ اُسے اس بنا۔ معمولی بھی نہیں

سے سکتا تھا کیونکہ وہ بہر حال لکیک چھڑی تھی۔ بناوٹ کے اعتبار سے وہ خواہ کیسی ہی رہی ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے اس چھڑی یا اس کے مالک کے متعلق کچھ بھی یاد نہ رہ گیا اور وہ یہ

بی بھول گیا کہ اس کے ساتھ فریدی بھی تھا۔ اس از خود فکری کی وجہ یہ تھی کہ اب بال شروع

دیا گیا تھا۔ سارا ہال موسیقی کے طوفان میں بہا جا رہا تھا۔ نوخیز جوڑے چوبی فرش پر تھرکتے پھر

ہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسانوں کا سمندر موجیں مار رہا ہو۔

حمید دل ہی دل میں اپنا سر پیٹنے لگا۔ کاش وہ ڈیوٹی پر نہ ہوتا۔ یہاں اس وقت کئی قوموں کی

بصورت اور شوخ لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسا ”بین الاقوامی موقعہ“ اس طرح ہاتھ سے نکلا جا رہا

ہے۔ حمید کا کچھ خون ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ کوئی درد بھرا شعر موزوں کرنے کی کوشش

کرتا اس کی نظر فریدی پر پڑی جو دور کھڑا اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید بڑی بے دلی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک

ف چلنے لگا تھا۔ حمید جلد ہی اس کے برابر پہنچ گیا۔

”اُس آدمی پر نظر رکھو۔“ فریدی بولا اور حمید کی نظر اسی آدمی پر پڑی جس کے ہاتھ میں دبی

لی چھڑی نے فریدی کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

”کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں آپ اس غریب کے۔ اگر صرف چھڑی پسند آئی ہو تو میں اس سے

دعا کروں گا کہ....“

”بکواس مت کرو۔“ فریدی نے اُسے جملہ نہیں پورا کرنے دیا۔

وہ آدمی ٹہلنے کے سے انداز میں چلتا ہوا زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ زینے ہال کی اوپری

دی کو فرش سے ملائے تھے۔

وہ زینوں پر چڑھنے لگا۔ لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے آگے پیچھے اور لوگ بھی تھے۔

مل بہترے مہمان اوپر گیلری سے رقص دیکھ رہے تھے اور کچھ اب اسی مقصد کے تحت اوپر

ہے تھے۔

فریدی اور حمید بھی اسی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔ ویسے ان کی نظریں اب بھی اسی آدمی پر

۔ وہ اسی کے پیچھے لگے رہے۔ اب حمید بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ کیونکہ یہ آدمی اگر

ایوں میں سے ہو تا تو گیلری کا رخ کرتا۔ لیکن وہ تو گیلری کی دوسری جانب والے صحن کی

جا رہا تھا۔

یہ ہال جہاں رقص ہو رہا تھا نصف دائرے کی شکل کا تھا اور اوپر کی گیلری کی شکل بھی یہی

سے جا لگا۔ اب وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ اس افراتفری میں حمید کو سمتوں کا احساس بھی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شاید لوگ آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگتے تھے۔ تقریباً تین منٹ تک اندھیرا رہا۔ پھر ایک ایک روشنی ہو گئی۔ لوگ گرتے پڑتے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ دفعتاً اس نے مائیک پر فریدی کی آواز سنی۔

”ٹھہریے۔ اس طرح آپ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔“

لوگ ایک لمحہ کے لئے رکے اور پھر بھاگنے لگے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر ہال خالی ہو گیا۔ یہاں تین لاشیں نظر آرہی تھیں۔ ایک تو اسی آدمی کی تھی جسے فریدی نے اوپر گیلری سے نیچے پھینکا تھا اور دو لاشیں ان سب اسپیکروں کی تھیں جو فریدی کے ساتھ یہاں آئے تھے حالانکہ ان کے لباس کے نیچے بھی بلٹ پروف موجود تھے لیکن ان کی قضا ہی آگئی تھی۔ زہریلا تیر ایک کی گردن میں لگا ہوا تھا اور دوسرے کی پیشانی پر پڑ کر اُچٹ گیا تھا۔ لیکن چونکہ تیر کا پھل گوشت کاٹ چکا تھا اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ فریدی نے انہیں ان کے لباس سے پہچانا ورنہ ان کے چہرے تو غیر معمولی درم کی وجہ سے گڑبڑ ہی چکے تھے۔

دس منٹ بعد ہی پولیس کا ایک مسلح دستہ ہال میں گھس آیا۔

”بڑی عجیب..... باب..... بات.....!“ حمید فریدی کی طرف دیکھ کر ہلکایا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ وہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے آتے ہی سارے دروازے بند کرادیے تھے۔

”اب یہ حضرت کیا کریں گے۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی۔ ایس۔ پی سٹی شاید اس کا منتظر تھا کہ فریدی خود ہی آگے بڑھ کر اُسے کچھ بتائے گا لیکن فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور سفیر چند آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پہلے وہ ڈی۔ ایس۔ پی سے کچھ کہتا رہا تھا پھر فریدی کی طرف بڑھا۔

”میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ فوج کو میرے حوالے کر دیا جائے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ورنہ حالات اس سے بھی بدتر ہو سکتے ہیں۔“

”میں کسی فوج کو نہیں جانتا کہ قتل فریدی۔ یقین کرو۔“

فریدی نے لا پرواہی ظاہر کرنے کیلئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تھی اور دوسری طرف صحن میں جانے کے لئے اس میں متعدد دروازے لگے ہوئے تھے۔ صحن میں پہنچ کر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے استوائی خطے سے ایک بیک قطبین میں پہنچ گئے ہوں ان کے جسم کے کھلے ہوئے حصے سردی سے ٹھہرنے لگے۔

صحن میں اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ اس آدمی کا دھندلا مجسمہ بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر چلنے لگا۔ پھر انہوں نے اسے گیلری کے آخری دروازہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ دونوں بچوں کے بل تیزی سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھے اور حمید نے جو منظر دیکھا اس نے فریدی کی عظمت اس کی نظروں میں اور زیادہ بڑھادی۔ اس کی چھتری کی اہمیت واضح ہو گئی تھی۔ اس میں لپٹا ہوا ایک تاریک کھل گیا تھا اور وہ درمیان سے کچل کر کمان کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ حمید سناٹے میں آگیا۔ پتہ نہیں کون اس تیر کا نشانہ بننے والا ہے جو بڑی احتیاط سے اس کمان پر چڑھایا جا رہا تھا۔ گیلری کا یہ حصہ نیم روشن اور ویران تھا۔ وہ تھی کہ یہ گیلری اس جگہ پڑے ہوئے پردوں کی بناء پر کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اتفاقاً وقت اس حصے کا پردہ کھینچا ہوا تھا اور یہ آدمی اسی لئے دوسری طرف بیٹھے ہوئے آدمیوں کی نگاہ سے محفوظ ہو گیا تھا۔

”بچوں کا یہ کھیل خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔“ دفعتاً فریدی نے آگے بڑھ کر کھینچی ہوئی پرہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ آدمی وحشیانہ انداز میں پلٹ پڑا۔ تیر اور کمان اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے تھے۔ فریدی کا گھونسا اس کی پیشانی پر پڑا۔ وہ پہلے تو گیلری کی ریلنگ سے ٹکرایا پھر دوسری طرف اس میں الٹ گیا اور پھر وہ چیخ تو بہر حال موسیقی کی لہروں پر بھاری تھی۔ ایک بیک ایسا معلوم ہوا کہ کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ایک لمحے کیلئے موت کی خاموشی طاری ہو گئی.... پھر شور ہوا۔ فریدی نے جھک کر فرش سے تیر اور کمان اٹھائے۔

پھر وہ نیچے آئے۔ یہاں ہر طرف ابتری کے آثار نظر آرہے تھے۔ لوگ بھاگ رہے تھے۔ عورتیں چیخ رہی تھیں۔ اچانک کوئی چیز بڑی قوت کے ساتھ کیپٹن حمید کے جسم سے ٹکرائی۔ اچھل پڑا۔ ایک تیر اس کے قدموں کے پاس پڑا ہوا تھا دوسرے ہی لمحے میں اس نے ریواں لیا۔ اگر اس نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف نہ پہن رکھے ہوتے تو دوسری دنیا کا سفر آسان ہو جاتا۔

پھر ایک بیک پورا ہال تاریک ہو گیا۔ چیخیں بلند ہونے لگیں۔ حمید ایک طرف ہٹا۔

دس بج گئے تھے۔ ضابطے کی کاروائیوں سے فراغت پا کر وہ باہر نکلے اور فریدی نے کار میں بیٹھے ہوئے کہا۔ ”جانتے ہو اس زہریلے تیر کا نشانہ کون تھا۔“  
 ”نہیں میں دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔“  
 ”فنج....!“

”نہیں....!“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔“  
 ”بس وہ نکل ہی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُسے اسی وقت دیکھا جب وہ کمان میں تیر لگا چکا تھا۔ فنج اوپری گیلری ہی میں تھا۔“  
 ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔“  
 ”خدا بہتر جانتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ نے ڈاکٹر ڈریڈ کو فضول ہی چھیڑا۔“  
 ”آہا.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے زہریلے تیر مجھے ہٹا دیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ میں وقتی طور پر اس سے ہاتھ اٹھاؤں لیکن یہ خیال کہ اس کے خیال سے باز آجاؤں گا فضول ہے۔ ویسے فنج اور ڈاکٹر ڈریڈ کے درمیان جو کچھ بھی ہو رہا ہے مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے۔ میں تو دراصل اب بھی سرخ گلابوں ہی کی فکر میں ہوں کیونکہ میری تفتیش کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔“  
 ”آپ نے تارانا نیڈو کو بھی نہ چیک کیا۔“

”اُسے چیک کرنے سے فائدہ ہی کیا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ اپنی بچت کی صورتیں بہر حال نکال سکتی ہے۔“

”پھر اُسے گرفت میں لینے کی کیا صورت ہوگی۔“  
 ”کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی تم اس کے لئے فکر مند نہ ہو۔“  
 کار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”مجھے آر لکچو میں اتار دیجئے گا۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اپنے ان دونوں ساتھیوں کی لاشیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔“

”نہیں.... اب سیدھے گھر ہی چلو ورنہ ہو سکتا ہے اس بار وہ تیر تمہاری گردن ہی چھید کر رکھ دے۔“

”اوہ.... مجھے اُس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے لیکن گھر اس وقت مجھے کھا جائے گا۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“ فریدی بولا۔

جلد نمبر 19  
 ”آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔ بس میں اس وقت اپنے طور پر وقت گزارنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میں خود بھی اس کا قائل نہیں ہوں کہ خطرات سے دوچار ہونے کے بجائے آدمی جو ہے کے بلوں میں دبکتا پھرے۔“  
 آر لکچو کے قریب فریدی نے اسے اتار دیا۔ حمید بچ بچ اس وقت تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ بس وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کے واقعات ہی کا ذہنی رد عمل رہا ہو۔ وہ جیسے ہی آر لکچو میں داخل ہوا اس کی نظر کھکشاں پر پڑی اور اس نے اُلٹے پاؤں واپس ہونا چاہا لیکن کھکشاں اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور حمید کو طوعاً و کرہاً رکتا پڑا۔  
 ”اے.... تم مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں جا رہے تھے۔“ اس نے اس کا بازو چھو کر کہا۔  
 ”آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا بات ہے۔“  
 ”چہ نہیں۔“ حمید کہتا ہوا اسی میز کی طرف بڑھا جس سے کھکشاں اٹھی تھی۔  
 وہ دونوں بیٹھ گئے۔  
 ”مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ خواہ مخواہ میرے کان نہ کھاؤ۔“  
 ”میں کھانا کھا چکی ہوں ورنہ تمہیں ہی کھا جاتی۔ کان تو کان ہی ہیں۔“  
 ”میں کافی پیوں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔“  
 ”تم میرا خون بھی پی سکتے ہو۔ مجھے اعتراض نہ ہو گا۔ مگر مجھ سے ایسے خشک لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔“

کھکشاں نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور حمید سے بولی۔ ”کافی پی لو پھر میں تمہیں اپنی ایک سیمپلی سے ملاؤں گی، جو تم سے ملنے کی بے حد مشتاق ہے۔“  
 ”کیا وہ مشتاق ہے؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔  
 ”ہاں....!“

”تو وہ تمہاری سیمپلی ہے۔“  
 ”ہاں.... لیکن تمہیں حیرت کیوں ہے۔“  
 ”کیونکہ میں نے آج تک کسی عورت کا نام مشتاق نہیں سنا۔“

کہکشاں ہنس پڑی اور حمید اُسے گھورتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آگئی اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔  
”تمہاری سہیلی مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اُسے سنی قسم کے آدمی بہت اچھے لگتے ہیں۔“

”میں سنی ہوں۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ دل کچھ بہلنے تو لگا ہے۔ چلو اس کی سہیلی کو بھی دلیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو۔

کافی ختم ہو گئی۔ حمید نے پائپ سلکایا۔ کہکشاں نے اپنے دہنی بیک سے سگریٹ کا پیکٹ ڈالا اور حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

”اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ کل تم نے کہا تھا کہ میں تمہارا کوپیا کروں۔“ کہکشاں بڑے بھولے پن سے کہا۔

”آج میں کہتا ہوں کہ کوئیں میں کوڈ پڑو لہذا مجھے کل صبح تمہاری لاش تیار ملنی چاہئے۔“ بڑے بے درد ہو۔ “کہکشاں نے اسامہ بنا کر بولی۔ ”عورتوں سے اس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے کیونکہ میں عورتوں اور مردوں میں فرق کرنے عادی نہیں ہوں اور کیوں فرق کروں جب کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے دعویٰ رکھتی ہیں۔“

”بحث کرو گے۔“

”بس عورتوں سے بحث نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مردوں کے دوش بدوش ہونے کے بارے میں بحث کے دوران اپنی عورت پن جتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔“

”میں سمجھ گئی۔“ کہکشاں ہنس کر بولی۔ ”آج بھی تمہیں اپنے آلو ہونے کا احساس ہوا ہے۔“ آج کل میں ہر وقت آلو رہتا ہوں۔ بس چلو۔ دیکھو وہ تمہاری دوست کس رفتار دماغ چاٹ سکتی ہے۔“

”ٹھہرو۔۔۔ میں فون کر کے معلوم کر لوں کہ وہ جاگ رہی ہے یا سو گئی۔“ کہکشاں نے کہا اٹھ کر چلی گئی۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پیتا رہا۔

تین یا چار منٹ بعد کہکشاں واپس آگئی۔ وہ آر لکچو سے باہر آئے۔

”اوہ۔۔۔ کیا اپنی گاڑی نہیں لائے۔“ کہکشاں نے مایوسی سے پوچھا۔

”نہیں میں ٹیکسی میں آیا تھا۔“

”خیر تو پھر ٹیکسی ہی میں چلیں گے۔ ویسے تمہاری گاڑی ہوتی تو اچھا رہتا۔ کیونکہ میں نے صوفیہ سے بتایا تھا کہ تمہاری گاڑی بہت شاندار ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور کہکشاں نے ڈرائیور سے کہا۔ ”ولماٹ ہاؤز۔“

”ولماٹ۔۔۔۔۔ ہاؤز۔۔۔۔۔!“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”وہاں تو شاید کوئی غیر ملکی تاجر رہتا ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ صوفیہ۔۔۔۔۔ ایک فریج لڑکی ہے۔“

”اوہ۔۔۔۔۔!“ حمید خاموش ہو گیا۔

ٹیکسی نے جلد ہی ولماٹ پہنچا دیا۔ یہ ایک بہت شاندار عمارت تھی۔ کہکشاں نے ٹیکسی چھانک ہی پر رکوا دی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کو پیسے دیئے۔

پھر وہ ایک طویل روش سے گذر کر عمارت میں آئے۔ برآمدہ ٹوب لائٹ سے روشن تھا، ایک باوردی ملازم انہیں دیکھ کر نہایت ادب سے آگے بڑھا۔ کہکشاں نے اُسے اپنا وزینٹنگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ ”مڈ موزیکل صوفیہ۔“

نوکر کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔ پھر دو تین منٹ بعد واپس آکر اس نے ان سے اندر چلنے کی درخواست کی۔ حمید اس عمارت میں پہلی بار داخل ہوا تھا۔ نوکر نے انہیں اندر لاکر ایک اعلیٰ قسم کی سجاوٹ والے کمرے میں بٹھایا اور خود واپس چلا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”یہ کیا۔۔۔۔۔!“ وہ کہکشاں کو گھورتا ہوا بولا۔ ”شاید اس نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے۔“ ”کیوں۔۔۔۔۔ نہیں بھی۔۔۔۔۔ اس کا کیا مطلب۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”تم خود دیکھ لو۔“ حمید لاپرواہی سے بولا۔ کہکشاں اٹھی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن وہ حقیقتاً باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

”کیوں؟ کیا مطلب ہے اس کا۔“ حمید غرایا۔

”میں کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔۔ شاید صوفیہ نے مذاق کیا ہے۔“

”دیکھو۔۔۔۔۔ ضرور دیکھو۔ لیکن میرے مذاق کا انجام ہمیشہ موت پر ہوتا ہے۔“

”ارے بس۔ ذرا سے میں دم نکلنے لگا۔ یہ مذاق ہی ہے۔ یہ مذاق ہی ہے۔ ابھی سننا صوفیہ کا قہقہہ۔“

ٹھیک اسی وقت باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ”کوکشاں۔۔۔۔۔ کوکشاں۔“



”صوفیہ.....!“ کہکشاں اندر سے چیخی۔

”کیا وہ..... ہے تمہارے ساتھ۔“

”ہاں..... اور تم پر خفا ہو رہا ہے کیونکہ اس قسم کے مذاق کا عادی نہیں ہے۔“

”اُسے جلدی معلوم ہو جائے گا کہ عادی ہونے میں کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دھوکا دے کر اُسے بلوایا۔ یہ دراصل ہم لوگوں کا ایک بہت بڑا دشمن ہے۔ اس لئے اب اس کے زندہ رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔“

”اُسے کیوں۔ ایسا بے شک مذاق کرتی ہو۔“ کہکشاں خوفزدہ انداز میں ہنسی۔

”میں مذاق نہیں کرتی۔ تمہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لیکن سنو! اس کام کا معاوضہ میں تمہیں بھی دے سکتی ہوں کہ تمہارا کام تمام نہ کیا جائے۔“

”اوہو! تو یہ کسی ڈرامے کا ریمہرسل ہے۔“ کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ لیکن اس بار جواب میں اُسے صرف قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔

”میرے خدا تو کیا وہ سچ کہہ رہی ہے۔“

”آخر کیوں! تم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔“

”میں نہیں جانتی۔“ حمید ہونٹ سکڑ کر بولا۔ ”مگر اتنا یاد رکھو کہ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔“

”دیکھو.....!“ وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ ”ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مذاق ہی ہے۔“ دفعتاً حمید کی نظر میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر پڑی اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ مگر وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کہکشاں نے اسے للکارا۔ ”خبردار اگر تم نے فون میں ہاتھ لگایا تو گولی مار دوں گی۔“

”ہائیں۔“ حمید بوکھلا کر مڑا اور اُسے کہکشاں کے ہاتھ میں اپنا ہی ریوالور نظر آیا۔ شائد اس نے اس کی بے خبری میں کسی وقت اس کی جیب سے نکال لیا تھا۔

”تم فون نہیں کر سکتے۔“ کہکشاں پہلے سے بہت مختلف نظر آنے لگی تھی۔ اب اس کے چہرے پر معصومیت کی بجائے کسی تکلفی کتیا کا سا انداز پلایا جاتا تھا۔ اس نے پھر کہا۔ ”تم کر ٹل فریدی کو فون نہیں کر سکتے۔ ان گدھوں کو میں کیا کہوں کہ اس کمرے میں چھوڑ گئے جہاں ٹیلی فون موجود ہے۔“

”اوہ..... دیکھو..... سنو.....!“ حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اس کی طرف بڑھنے

”میں نے..... تمہارا..... کیا بگاڑا ہے..... تم میری گہری دوست تھیں نا.....!“

کہکشاں پیچھے ہٹتی رہی اور پھر حمید نے پک ٹیک اس پر چھلانگ لگادی۔ دوسرے ہی لمحے میں ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور کہکشاں فرش پر پڑی اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”اب تم بتاؤ.....! اگر حلق سے ہلکی سی آواز بھی نکلی تو اپنا کام تمام سمجھنا۔“

”اس نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے فریدی کے نمبر ڈائل کئے۔ یہ اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ فریدی گھر پر موجود تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے بتایا کہ وہ ولماٹ ہاؤز میں پھنس گیا ہے اور پھر وہ اس داستان کو دہرائی رہا تھا کہ اس کے سر پر پشت سے کسی نے کوئی وزنی چیز رسید کر دی۔ گرتے گرتے حمید نے فائر کر دیا لیکن بے سود۔ گولی کسی کے بھی نہ لگ سکی۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

جب ہوش میں آیا تو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ لیکن پھر جلد ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی کہ وہ کسی تیز رفتار بند گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔

یہ سفر بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔ گاڑی کسی جگہ رک گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ دفعتاً روشنی کا ایک بڑا دھبہ گاڑی کے اندر ریگ آیا۔ شائد دروازہ کھولا گیا تھا۔ پھر کسی نے اُسے اترنے کو کہا۔ حمید چپ چاپ اٹھا اور گاڑی سے باہر آگیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ گاڑی ایک بہت وسیع کمرے میں کھڑی ہے۔ یہ ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی دین تھی۔ اُس کمرے میں دین کے ڈرائیور سمیت چھ نفوس تھے۔ ان میں سے دو کو حمید بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ایک تو کہکشاں تھی اور دوسرا وہ سفیر جسے شائد اس فساد کی جڑی کہنا مناسب ہو گا۔ وہ حمید کی طرف دیکھ کر طعنے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”ہلومائی ڈیر کیپٹن حمید.....!“ کہکشاں مسکرائی۔ ”تم لوگ بہت چالاک ہو۔“

”ہاں! محترمہ ہم لوگ کافی چالاک ہیں۔“ حمید بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”ابھی وہ حضرت بھی اسی طرح لائے جا رہے ہوں گے۔ جو تم سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔“

”کر ٹل فریدی۔“ حمید نے سوال کیا۔

”ہاں کر ٹل فریدی۔ مگر نہ کہنا کیپٹن یہ چال کتنی شاندار تھی۔ دنیا میں کون ایسا گدھا ہے جو اپنے شکار کو ایسے کمرے میں بند کر دے جہاں فون موجود ہو۔ فریدی نے فون پر تمہاری چیخ اور فائر کی آواز بھی سنی ہوگی۔ کیا یہ سب کچھ اُسے ولماٹ ہاؤز پر چڑھ دوڑنے پر مجبور نہیں کر دے گا اور ولماٹ ہاؤز جواب بالکل، یران ہے کیا اس کے لئے چوہے دان نہیں بن جائے گا۔“

”میرے خد“ حمید اپنی پیشانی رگڑ کر آہستہ سے بڑھایا۔

”کون پھر...؟“ کہکشاں مزے لے لے کر بولی۔ ”تم دونوں موت کے گھٹ اتار دیئے جاؤ گے۔“  
حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سفیر کی طرف دیکھنے لگا تھا جس کے ہونٹوں پر اب بھی وہی طر آئیز  
مسکراہٹ موجود تھی۔

”یورا یکسیلنسی آخر ہم تینوں کا قصور...!“ حمید نے اُسے مخاطب کیا۔

”ہر معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھنا بہت بُرا ہوتا ہے۔“ سفیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ بھی ڈاکٹر ڈریڈ کے تیروں کا شکار بننا چاہتے ہیں۔“

”ڈاکٹر ڈریڈ...!“ سفیر نے حیرت سے کہل۔ ”تم جانتے ہو۔“

”عظیم فریدی کیا نہیں جانتا۔“

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔

پھر حمید نے کہل۔ ”یہ عورت مجھ سے شادی کرنے والی تھی، لہذا اس کی بیوگی کا خیال تو آپ

کو رکھنا ہی چاہئے۔ اگر یہ شادی سے پہلے ہی بیوہ ہو گئی تو مجھے بڑا فوس ہو گا۔“

”بکو اس مت کرو۔ تم اپنی دانست میں مجھے بیوقوف بنا رہے تھے۔“

”بیوقوف تو تم اب بھی بن رہی ہو۔ کہکشاں ڈارلنگ۔ خیر تم نہیں سمجھ سکو گی۔ لیکن اتنا یاد رکھو

کہ اگر تم لوگوں نے فریدی کو قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کر دیا تو بڑے خسارے میں رہو گے۔“

”کیوں...؟“ سفیر نے سوال کیا۔

”فریدی نے ابھی تک تم لوگوں کے متعلق اپنی رپورٹ پیش نہیں کی لیکن وہ جانتا سب کچھ

ہے اس نے سارے کاغذات مکمل کر لئے ہیں اور یہ صرف میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے کاغذات

کہاں رکھتا ہے۔“

”پھر تم کیا چاہتے ہو۔“ سفیر نے بے چینی کے ساتھ پوچھا۔

”یہی کہ فریدی کے قتل سے پہلے مجھے نہ قتل کرنا۔ ورنہ وہ کاغذات بہر حال مجھے کے ہاتھ لگ

جائیں گے۔ تم اُسے مار بھی ڈالو گے، تب بھی وہ ان کاغذات کا پتہ تمہیں نہ بتائے گا۔ وہ اسی قسم کا

آدی ہے۔ کاغذات تمہیں صرف مجھ سے مل سکیں گے۔ ورنہ پھر وہ مجھے کے ہاتھ لگیں گے۔“

ٹھیک اسی وقت ایک اور دین کمرے میں گھستی چلی گئی۔ یہ بھی سیاہ رنگ کی تھی اور ساخت

بھی اسی دین کی سی تھی جس پر حمید لایا گیا تھا۔

”لے آئے...!“ کہکشاں پُر مسرت لہجے میں چینی۔

”لے آئے۔“ ڈرائیور کی سیٹ سے آواز آئی۔

”شاباش... اتارواؤ۔“

وین کا دروازہ کھولا گیا اور دو آدمی ایسے آدمی کو اٹھائے ہوئے باہر آئے جس کے ہاتھ

سیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور اُس کے سر پر سیاہ رنگ کا اتنا بڑا غلاف منڈھا ہوا تھا کہ چہرہ

چھپ گیا تھا۔

کہکشاں نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے غلاف کھینچ لیا لیکن ساتھ ہی اس کے حلق سے

عجیب قسم کی آواز بھی نکلی اور وہ کسی غضب ناک بلی کی طرح غرائی۔ ”میا تم لوگ کھاس کھا گئے

ہو۔ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے۔“

وہ دونوں بوکھلا کر اس کی طرف دوڑے لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس طرح ڈھیلے

پڑ گئے جیسے ایک بیک غباروں سے ہوا نکل گئی ہو۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور پھر کہل۔ ”دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ تم اب بھی بیوقوف بن رہی ہو۔“

”اچھا تو تم جاؤ۔“ کہکشاں نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکالتے

ہوئے کہل۔

”ٹھائیں۔“ ایک فائر ہوا لیکن حمید اسی طرح کھڑا رہا جیسے پہلے کھڑا تھا البتہ کہکشاں کا پستول

اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس طرح داہنا ہاتھ دبائے ہوئے تھی

جیسے اس کے کلائی کے نکل بھاگنے کا خدشہ ہو۔

”ایسا بھی کیا مس تارا نائیڈو۔“ کمرے کی خاموش فضا میں فریدی کی آواز گونجی جو بعد میں

آنے والی دین سے نکل رہا تھا۔ ”یہ اتنا بودا بھی نہیں ہے کہ کسی عورت کے ہاتھوں مر سکے۔ ویسے

یہ خود مری طرح مرتا ہے عورتوں پر۔“

تارا نائیڈو کا نام سن کر حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

فریدی آٹھ آدمیوں میں تنہا کھڑا تھا، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی طرف

قدم بھی بڑھا سکتا کیونکہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالتور تھے اور بارہ راؤنڈ میں سے صرف ایک

راؤنڈ چلایا گیا تھا۔ گیارہ راؤنڈ ابھی باقی تھے۔

”میں ذرا ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں پڑ گیا تھا یورا یکسیلنسی۔“ فریدی نے مضحکہ اڑانے والے

انداز میں کہل۔ ”ورنہ یہ کھیل بہت پہلے ختم ہو جاتا۔ سرخ گلاب بہت عرصے سے میری

نظروں میں تھے اور یہ عورت تارا نائیڈو بھی۔ یہ بچاری اپنے متعلق بہتیری غلط فہمیوں میں مبتلا

”حمید.....!“ فریدی بولا۔ ”ہزار ایکسینسی کے علاوہ اور سب کے ہاتھ ان کی ٹائیوں سے باندھ دو اور تارانا نیڈو کے لئے اپنی ٹائی استعمال کرو۔“

دفتر فریدی کے ریوالور سے شعلہ لگلا اور ایک آدمی چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ہاتھ جیب کی طرف جارہا تھا۔

”میں سب کو یہیں ختم کر دوں گا، ورنہ خاموشی سے اپنے ہاتھ بندھالو۔ تمہارے جرائم کے لئے اتنے ثبوت میں نے مہیا کر لئے ہیں کہ دنیا کی کوئی عدالت تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تین خون تمہاری گردنوں پر ہیں۔“

”نشت و خون سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔“ سفیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”وہ سب کچھ محض فحش کی ذات سے ہوتا رہا ہے اور فحش سے سفارت خانے کا کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ وہ ایک سیانی آدمی ہے اور ادبائش بھی۔“

”مگر سرخ گلاب والی لڑکیاں وہی سفارت خانے تک پہنچایا کرتا ہے۔“

”ہاں..... آں..... وہ لڑکیوں کا کاروبار ہے۔“

”یورا ایکسینسی..... پلیز..... اب میں جھوٹ برداشت نہیں کر دوں گا لہذا محتاط رہنے ورنہ

ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جائے جو آپ کی شان کے خلاف ہو۔ بہر حال میں آپ لوگوں پر چارج لگائے بغیر یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔ میں آپ کے سفارت خانے پر الزام لگاتا ہوں کہ وہ ہماری حکومت کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس کام کے لئے تارانا نیڈو ایسی لڑکیوں کو تربیت دیتی تھی، جو خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہوں۔ پھر وہ انہیں ایک ایک کر کے فحش کے توسط سے آپ تک پہنچاتی تھی اور سفارت خانہ سے انہیں اس کام کی نوعیت معلوم ہوتی تھی جس کے لئے وہ تارانا سے ٹریننگ لے کر آتی تھیں اور پھر یہ لڑکیاں حکومت کے سربراہ آدرہ لوگوں پر ڈورے ڈال کر انہیں اپنے دامن میں پھنسانے کی کوشش کرتی تھیں تاکہ ان سے حکومت کے راز معلوم کر سکیں۔ اس طرح آپ کے سفارت خانہ سے ہمارے ملک کو زبردست نقصانات پہنچے ہیں۔ اس رات جب میں اتفاق سے سفارت خانہ کی طرف جا لگا تھا ایک لڑکی شیدا ہاں آنے والی تھی، جسے فحش پہچانتا نہیں تھا تو یہ بیچاری یہاں بھی دھوکا کھا گئی۔ نہ یہ ایسا طریقہ رکھتی اور نہ میں اس راز سے واقف ہو سکتا اور نہ لیڈی انسپکٹر ریکھا شیلہ کی جگہ لے سکتی۔ ویسے تارانا نیڈو کے لئے کام کرنے والے بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ سفارت خانے کے چھانک پر رات کو ڈیوٹی میں آنے والا سنتری شیلہ کا پڑوسی ہے اسی لئے انہوں نے اُسے

ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ خود کو بہت چالاک اور دور اندیش سمجھتی ہے۔ اسی نے کیپٹن حمید پر ڈورے ڈالے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس حرکت سے خود خسارے میں رہے گی۔ اس نے صرف یہ سن رکھا تھا کہ کیپٹن حمید عورتوں کا کیزا ہے لیکن نہیں جانتی تھی کہ اس سے کسی قسم کی معلومات حاصل کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ کیا اب سرخ گلابوں کی کہانی بھی شروع کر دوں۔ مگر نہیں اس سے پہلے میں معلوم کرنا چاہوں گا کہ ڈاڈریڈ کو تم لوگوں سے کیا سروکار۔“

کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر فریدی نے کہا۔ ”اگر ڈاکٹر ڈریڈ خود ہی تم سے آکر لیا ہے تو اس وجہ بھی بڑی شاندار ہوگی۔ کیوں کیا ارادہ ہے۔ اس کے متعلق کچھ بتاؤ گے۔“

”تم خواہ خواہ چند صلح پسند شہریوں پر تشدد کر رہے ہو۔“ کہکشاں یا تارانا نیڈو نے کہا۔ فریدی اس کی طرف دھیان دینے بغیر سفیر سے بولا۔ ”یورا ایکسینسی آپ کی پوزیشن بخراب ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ آپ کی حیثیت سے واقف ہو جانے کے بعد میں آپکے جھکڑیاں نہ لگا سکتا لیکن فرض کیجئے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں آپ کو پہچانتا ہی نہیں ہوں تو آپ مہم چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح کٹہرے کے پیچھے ہوں گے۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“

”یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ڈریڈ کا ان واقعات یا سفارت خانے سے کیا تعلق ہے۔“ اس کا تعلق نہ ان معاملات سے ہے اور نہ سفارت خانہ سے۔ فحش کا اور اس کا کوئی ذاتی جڑ ہے جس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔“

”کیا یہ فحش سفارت خانہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔“

”نہیں.....!“

”وہ کہاں ملے گا۔“

”ہمیں اس کا پتہ معلوم نہیں۔ وہ ایک بُرا آدمی ہے۔ سفارت خانے کے عملہ کا اخلاق کرتا ہے۔ ان کے لئے کرائے کی لڑکیاں مہیا کرتا ہے۔“

”اور وہ لڑکیاں اس عورت کے توسط سے آتی ہیں۔“ فریدی نے تارانا نیڈو کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرے سیکریٹری کی اشیو ہے۔“

”پھر آخر ہم لوگ یہاں کیوں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

لیکن اس کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔

ڈیوٹی پر پہنچنے ہی نہیں دیا تھا کیا آپ ان الزامات سے انکار کر سکتے ہیں۔“ کوئی کچھ نہ بولا۔ تارانا ایڈو کے چہرے پر سردنی چھا گئی۔

”میں تم لوگوں پر الزام لگاتا ہوں کہ تم شیلا اور اس کی بڑی بہن کے قاتل ہو۔ میں تم پر اس آدمی کے قتل کا بھی الزام لگاتا ہوں جس کی لاش دو دن پہلے ار جن پورے کے ایک پبلک پیشاب خانے میں ملی تھی۔ میں تم پر الزام لگاتا ہوں کہ تم فنج نامی ایک بہت بڑے مجرم کو قانون کی دھڑ سے بچانا چاہتے ہو۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔“

”ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ فنج کہاں رہتا ہے۔“ تارابولی۔

”خیر دیکھا جائے گا۔ حمید۔ کیا تم اپنا کام کر چکے۔“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ مگر تارانا ایڈو۔“

”اس کے لئے تمہیں اپنی ٹائی کھولنی پڑے گی۔“

دوسری صبح حمید گھر پر فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ پچھلی رات ان کی آخری ملاقات کو توالی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک فریدی غائب تھا۔ حمید کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ مجرموں کا کیا حشر ہوا۔ وہ تو یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ فریدی وہاں تک کیونکر پہنچا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر فریدی کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو حمید دوسری دنیا میں ہوتا کیونکہ تارانا کچھ اس طرح ایک بیک پٹول نکال لیا تھا کہ حمید کو سنہلنے تک کا موقع نہ مل سکتا۔ ساتھ ہی اگر فریدی کا نشانہ خطا کر جاتا تب بھی نتیجہ وہی برآمد ہوتا جس کے لئے کم از کم حمید جو ان العبری میں توتیار نہیں ہو سکتا تھا۔

دن ڈھلے فریدی گھر واپس آیا اور حمید کچھ اس طرح اپنے سوالات سمیت اس پر ٹوٹ پڑا کہ فریدی سچ بول کھلا گیا۔ لیکن اب اس اسٹیج پر حمید سے چیچھا چھڑانا مشکل تھا۔

”ارے بھئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہاں اس طرح جا پہنچنا معجزات میں سے نہیں تھا۔ جب مجھے پہلے ہی سے اس کا علم تھا کہ تارانا کی کھشاں ہے تو پھر میں کس طرح مطمئن ہو سکتا۔ ویسے میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ عقل کی پتلی کرنا کیا چاہتی ہے چونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی ان مصروفیات میں صرف میں ہی خارج ہو سکتا ہوں لہذا اس نے ہم سے قریب آنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اسے اس سلسلے میں مایوسی ہوئی۔ اگر تم اس سے بحیثیت کیپٹن حمید ملے ہوتے تب تو وہ یقینی طور پر کسی نہ کسی طرح تمہارے پیٹ میں اتر جاتی۔ مگر دشواری یہ آپڑی تھی کہ تم نے بھی خود کو نیم دیوانہ پوز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بہر حال مجھے اطلاع ملی کہ وہ تمہیں ولماٹ ہاؤز لے گئی ہے

میں بھی اسی طرف آنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا فون ملا جس میں تمہاری چیخ سنی۔ پھر فائر کی آواز سنی میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے لئے جال بچھلایا جا رہا ہے پھر کچھ دیر بعد اطلاع ملی کہ تم اردن لاج پہنچا دیئے گئے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ولماٹ ہاؤز اس وقت بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔ جس وقت میں ولماٹ پہنچا تارا کے آدمی پائیں باغ میں ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے۔ میری موجودگی میں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو زخمی کر کے باندھ لیا۔ پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ ان گدھوں نے اس بیچارے کو بولنے کا بھی موقع نہ دیا اور میرے دھوکے میں باندھ لے گئے۔ ایک بڑی سی سیاہ دین وہاں موجود تھی جس میں اس بیچارے کو ٹھونس دیا گیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں شام کی کام سے عمارت کے اندر چلے گئے اور مجھے موقع مل گیا کہ میں بھی اسی دین میں بیٹھ جاؤں۔ دین کے اندر ایک گوشے میں تین چار چھوٹے دریاں تھیں کی ہوئی رکھی تھیں۔ میں انکے پیچھے چھپ گیا۔ بس اس طرح وہاں تک میری رسائی ہوئی۔“

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”اور ڈاکٹر ڈریڈ۔“

”نی الحال اُسے جہنم میں جمو نکو۔۔۔۔۔ جب اس کیلئے کام شروع کر دوں گا تب اسکی گفتگو کرنا۔“

”فنج بھی نکل ہی گیا۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ یہ فنج البتہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔